جاسوسی دنیا
As. -/9/-

پُراسرار اجنبی

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۹

ابنِ صفی

۱۹۵۲

پیش رس

"پُر اسرار اجنبی" اپنے اُلجھے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک انتہائی دِلچسپ ناول ہے۔ آپ اس میں دیکھیں گے کہ جرائم کسی خاص طبقے تک محدود نہیں۔ مصلح بھی مجرم ہو سکتا ہے۔ ایک ادیب بھی جرم کر سکتا ہے۔

مجرم وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنہیں لوگ مصنّف سمجھتے ہیں۔ ہمارے آپ کے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں سوسائٹی قطعی بے ضرر سمجھتی ہے لیکن ان کے سیاہ کارناموں پر سے پردہ اُٹھتے ہی دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ ایک انتہائی چالاک عورت جس کی ایک ہی جنبشِ ابرو پر بڑے بڑے مجرموں کے دِل

ڈہل جاتے ہیں۔ اپنی جنسی خواہشات کے طوفان میں گھِر کر کس طرح بے بس اور مجبور ہو جاتی ہے۔ اور پھر۔۔۔

ایک خوبصورت نوجوان کی دِل آویز مُسکراہٹ اس کے جلال و جبروت کے طلِسم کو فنا کر دیتی ہے۔ وہ عورت جس نے قاتلوں کے چھکّے چھڑا رکھے ہوں۔۔۔ وہ۔۔۔ اک حسین نوجوان کے قدموں میں بے دست و پا پڑی تھی۔ اور۔۔۔ وہ نوجوان۔۔۔؟

فریدی اور حمید اس ناول میں کیا کر رہے ہیں؟ اس کا جواب اس ناول کے دلچسپ مطالعہ سے ملے گا۔

پبلشر

پُراسرار اجنبی

دلاور پُور تھا تو اچھا خاصا بڑا قصبہ، لیکن پھر بھی اس کے مغربی سِرے پر ایک چھوٹی سی انگریزی طرز کی خوبصورت عمارت کا وجود واقعی تعجّب انگیز تھا۔ دلاور پُور ایک بہت پرانی بستی تھی۔ یہاں سے شہر تقریباً دس میل کی دوری پر تھا۔ یہاں زیادہ تر زمیندار آباد تھے، جن کے بڑے بڑے مکان جو پُشت ہا پُشت سے بطور میراث مُنتقل ہوتے چلے آئے تھے آج بھی اپنی اصلی یا کُچھ شکستہ حالت میں موجود تھے۔ ان عمارتوں میں ایک انگریزی وضع کی عمارت کا وجود کُچھ عجیب سا لگتا تھا اور اس میں رہنے والے مرد وزن لوگوں کی نظروں میں اس عمارت سے

بھی عجیب تھے۔

یہاں سعید اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ سعید ایک خوبصورت اور خوش وضع انسان تھا۔ اس کے باپ کا شمار یہاں کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ اس نے سعید کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلینڈ بھیج دیا تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور صنعت و حرفت میں دلچسپی لیتا رہا۔ صنعت و حرف میں اس کا خاص موضوع کاغذ بنانا تھا، تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی ٹریننگ بھی لے رہا تھا۔ اس کے والد کو توقع تھی کہ وہ انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد کوئی بہت بڑی سرکاری ملازمت پا جائے گا۔ لیکن اس کی واپسی پر انہیں اپنی آرزوؤں کا خون ہوتا دکھائی دیا۔ سعید نے ملازمت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بجائے اس نے شہر میں کاغذ بنانے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ کھول دیا۔ حالانکہ اس کے باپ کو یہ بات بہت ناگوار گزری لیکن وہ اس پر اس کی مخالفت میں کُچھ زور بھی نہ ڈال سکے کیونکہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیا میں اس کے علاوہ اُن کا تھا ہی کون۔ تیرہ اولادوں میں صرف وہی ایک بچا تھا۔

بیوی پہلے ہی مر چکی تھی اور اب خاندان میں صرف یہی دو باپ بیٹے رہ گئے تھے۔

شروع شروع میں کارخانہ اچھا خاصا چلتا رہا۔ پھر اچانک نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ ادھر سعید کا باپ بھی بیمار پڑ گیا۔ اس کی علالت کے سلسلے میں وہ کاروبار کی طرف کُچھ دھیان نہ دے سکا۔ کارخانے کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ ادھر ان کی بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی، جس دِن کارخانے میں تالا پڑا اس کے دوسرے ہی دِن اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ زمینداری کا سارا بار بھی اس پر آ پڑا۔ گو آدمی تھا ذہین، طبیعت نہ لگنے کے باوجود بھی اس نے کام میں بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ کُچھ دِنوں کے بعد اس کی جدّت پسند طبیعت نے اسے دھوکے دینے شروع کئے اور اس کے دِل میں کاشت کاری کرنے کا بھُوت سوار ہو گیا۔ ایک ٹریکٹر خریدا گیا۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو یکجا کر کے ان کی چک بندی کی گئی۔ عمدہ عمدہ بیج حاصل کئے گئے اور پھر سعید نے باقاعدہ کھیتی باڑی شروع کر دی۔ وہ خود ٹریکٹر چلاتا۔ کھیتوں کی سینچائی اور ترائی بھی خود ہی کرتا اور گاؤں

والے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے۔ جس وقت وہ سوٹ پہنے منہ میں پائپ دبائے ٹریکٹر پر بیٹھ کر راستوں سے گزرتا تو لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے۔ ہم چشم آوازیں کستے لیکن وہ بُرا نہ مانتا۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے عادی ہو گئے۔

سعید ایک با اخلاق اور سیدھا سادہ آدمی تھا۔ شروع شروع میں لوگ اس کی طرف بد ظن ضرور تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی شرافت اور اخلاق نے سب کو اپنا گرویدہ بنالیا اور پھر اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ ماحول سے بغاوت تھی۔ ہندوستان کی فضا میں مغربی کسان کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ یہ چیز عوام کے لیے عجوبہ تھی اور ہر عجیب چیز بہت جلد مشہور ہو جاتی ہے۔ بعض بے تکلّف لوگ اسے مذاقاً کسان صاحب کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ قصبے میں جب کسی کو گفتگو کے دوران میں اس کا حوالہ دینا پڑتا تھا تو وہ اسے کسان صاحب ہی کے نام سے یاد کرتا، اس میں طنز اور مذاق کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔

کُچھ دِنوں بعد سعید نے گاؤں کے مغربی سِرے پر شہر سے آنے والی سڑک سے کُچھ دور ہٹ کر اس انگریزی طرز کی عمارت کی بنیاد ڈالی۔ اس عمارت کے نزدیک

ہی اس نے ایک بہت بڑا اناج گھر بنوایا۔ ان دونوں عمارتوں کے گرد ایک بہت لمبا چوڑا میدان تھا۔ جہاں اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں مُرغیاں اور دُودھ دینے والے جانوروں کے رکھے جانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سڑک سے تھوڑی ہی دوری پر پیال کے بنڈلوں کے ڈھیر کے ڈھیر دکھائی دیتے تھے۔ یہ دراصل اس کا کھلیان تھا۔ یہاں پودوں سے اناج الگ کرنے کے بعد ان کے بنڈل بنا کر سلیقے سے اوپر تلے چُن دیے جاتے تھے۔ اس نئے مکان کی تعمیر کے بعد سعید نے اپنے آبائی مکان کو چھوڑ دیا اور مُستقل طور پر یہیں آ کر رہنے لگا۔ اس دوران میں اس نے شہر کی ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کر لی اور اس کی بیوی بھی اتّفاق سے بالکل اسی کی طرح جدّت پسند واقع ہوئی تھی۔

شادی کے سلسلے میں ایک بار پھر اُسے مخالفت کے طُوفان کا مُقابلہ کرنا پڑا۔ بھلا کسی خاندانی آدمی کی شادی کی کسی ایسے خاندان میں ہو، گاؤں کے لوگ کس طرح پسند کر لیتے، جس کے حسب و نسب ہی کا پتہ نہ ہو اور پھر اس پر ستم یہ تھا کہ سعید اپنی بیوی کو بھی بے پردہ رکھتا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ طوفان بھی دب گیا۔ یہاں بھی سعید کی شرافت کام آئی۔ وہ بُرا بھلا کہہ جانے کے باوجود بھی لوگوں سے اسی طرح ملتا رہا۔ اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتا رہا۔ کُچھ دِنوں بعد اُسے بُرا بھلا کہنے والوں کی گردنیں پھر جھک گئیں۔

اب دونوں میاں بیوی نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس وقت رات کی تاریکی میں سفید عمارت کُچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردی اپنے شباب پر تھی حالانکہ ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، لیکن سارے گاؤں پر کُچھ اس طرح کا سکوت طاری تھا جیسے رات گزر گئی ہو۔ کبھی کبھی کُتّوں کے بھونکنے یا بھینسوں کے ڈکرانے کی آوازیں سکوت کا سینہ چیرتی ہوئی دور تک لہراتی چلی جاتیں اور پھر ان کی بازگشت سُنائی دیتی۔

دفعتاً شہر سے آنے والی سڑک پر کسی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی نظر آئی۔ کار تیزی سے سڑک سے اُتر کر سعید کے مکان کی طرف بڑھنے لگی اور پھر وہ پیال کے بنڈلوں کے ایک ڈھیر سے اس طرح ٹکرائی کہ اس کا اگلا حصّہ اس میں دھنستا

چلا گیا۔ مشین بند کر دی گئی۔ ایک بھاری بھر کم آدمی کار سے اترا اور پیال کے بنڈل اُٹھا اُٹھا کر کار پر پھینکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری گاڑی اس میں چھُپ کر رہ گئی۔ اس کام سے فراغت پا کر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ کُچھ دوری پر اسے کسی دوسری کار کی روشنی دکھائی دی۔ وہ جھپٹ کر پیال کے ڈھیر کے پیچھے چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دوڑتا ہوا سعید کے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔

آج سینچر کی رات تھی، اس لیے سعید نے معمول کے مطابق سارے نوکروں کو چھٹی دے دی تھی تا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر رات بسر کریں۔ سینچر کی رات کو وہ ان نوکروں کو بھی چھٹی دے دیا کرتا تھا جو رات وہیں بنگلے ہی میں بسر کرتے تھے۔ حتّیٰ کہ باورچی بھی سینچر کی شام کو رُخصت کر دیا جاتا تھا۔ اس رات کا کھانا سعید کی بیوی خود تیّار کیا کرتی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے، لیکن ابھی تک کھانا نہیں پک چکا تھا۔ سعید کھانے کے کمرے ہی میں اپنے حساب کتاب کے کاغذات اُٹھا لایا کرتا تھا تا کہ وہاں بیٹھے بیٹھے اپنی بیوی سے گپ بھی لڑا سکے، جو باورچی خانہ میں روٹیاں پکا چکنے کے بعد سالن کی دیگچیوں کی دیکھ بھال کر رہی

تھی۔

"بھئی یہ گوشت تو گلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی۔" سعید کی بیوی نے باورچی خانے سے کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" سعید نے حساب جوڑتے جوڑتے سر اُٹھا کر کہا۔ "چائے کا پانی رکھ دو تو بہتر ہے، سردی بہت ہے۔"

"اچھا۔۔۔!" اور پھر برآمدے میں بھاری بھاری قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ سعید چونک پڑا۔ آواز لحظہ بہ لحظہ قریب آتی جا رہی تھی۔ سعید سمجھا شائد اس کا کوئی رشتہ دار ہو گا۔

دفعتاً ایک اجنبی کمرے میں داخل ہوا۔ سعید کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے غصّہ اور حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آنے والا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے ایک بہت عمدہ قسم کے کتھّئی سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اندر سے کوئی متموّل اور با وقار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی شخصیت میں سب سے عجیب چیز یہ تھی کہ وہ

موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔

”میں اس بے وقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

”لیکن آپ کا اس طرح بغیر اجازت کسی کے گھر میں گھُس آنا کوئی اچھی بات نہیں۔“ سعید نے تلخی سے کہا۔

”مجبوری بھی کوئی چیز ہے۔“ اجنبی بیٹھ کر ہانپتے ہوئے بولا۔

”آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”پناہ۔۔۔ صرف ایک رات کے لیے۔“ اجنبی بولا۔

اتنے میں سعید کی بیوی بھی آگئی۔ وہ بھی اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن شائد اجنبی اس کی موجودگی سے ناواقف تھا۔ وہ سعید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”میں آپ کو جانتا نہیں۔“ سعید نے کہا۔ ”معلوم نہیں آپ کون ہیں کیسے ہیں؟“

”اس وقت میرے پاس اپنی شرافت کا کوئی ثبوت نہیں۔“ اجنبی نے کہا اور پھر اپنی جیب سے نوٹوں کا ایک بڑا سا بنڈل نکال کر سعید کے سامنے میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں ایک رات آپ کی چھت کے نیچے رہنے کی یہ قیمت ادا کر سکتا ہوں۔“

سعید کبھی اسے دیکھتا تھا اور کبھی نوٹوں کے بنڈل کو۔

”کیا کوئی آپ کا تعاقب کر رہا تھا۔۔۔؟“ سعید نے پوچھا۔

”یہی سمجھ لیجئے۔“

”پولیس۔۔۔؟“ سعید نے سوال کیا۔

”تو کیا آپ مُجھے بدمعاش ہی سمجُھتے ہیں؟“ اجنبی مُسکرا کر بولا۔ وہ خود کو بہت زیادہ مطمئن اور پُر سکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کا بار بار مُڑ مُڑ کر برآمدے کی طرف دیکھنا اس کے خوفزدہ ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

سعید نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور بدستور اسے گھورتا رہا۔

"بولیے کیا کہتے ہیں آپ۔۔۔؟" اجنبی بولا۔

"مجبوری ہے۔" سعید نے جواب دیا۔

"تو پھر میں مجبور ہوں۔" اجنبی جیب سے پستول نکال کر سعید کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

سعید کی بیوی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اجنبی چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"اوہ۔۔۔ مُجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی خاتون بھی تشریف رکھتی ہیں۔" اجنبی نے کہا اور جلدی سے پستول جیب میں رکھ دیا۔

"خواتین کی موجودگی میں اس قسم کی حرکت غیر شریفانہ ہے۔" اجنبی ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "خیر اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ میں ہلاک کر دیا جاؤں تو میں جارہا ہوں۔" اجنبی اپنے نوٹوں کا بنڈل وہیں چھوڑ کر باہر جانے کے لیے واپس مُڑا۔

سعید عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے جاتے دیکھ کر بولا۔

"ٹھہریئے۔"

اجنبی رُک گیا۔

"آپ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں۔" اس نے اُکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔" اجنبی نے کہا۔ "لیکن جو لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔"

"تو آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"اُن کی نگاہوں سے چھپنا۔۔۔ صرف رات کے لیے۔" اجنبی بولا۔

اتنے میں باہر موٹر کے رُکنے کی آواز آئی۔

سعید گھبراہٹ میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"وہ کیا ہے۔۔۔؟" اجنبی نے ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے

پوچھا۔ برآمدے میں کئی قدموں کی آہٹ سُنائی دے رہی تھی۔

”کوئلے کی کوٹھری۔“سعید نے جواب دیا۔

قدموں کی آہٹ قریب سے قریب تر ہوتی جارہی تھی۔

”اس میں باہر جانے کا کوئی راستہ ہے؟“

”ایک چھوٹی سی کھڑکی جو پُشت پر میدان میں کھلتی ہے۔“سعید نے جواب دیا۔
”ٹھیک۔۔۔!“اجنبی نے کہا اور دوڑ کر کوئلے کی کوٹھری میں گھُس گیا۔

سعید نے نوٹوں کے بنڈل پر اپنی ہیٹ رکھ دی اور اپنی بیوی کو بیٹھنے کا اشارہ کرکے خود بھی بیٹھ کر کُچھ لکھنے لگا۔

دفعتاً پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

جو سب سے آگے کھڑا تھا، صورت شکل کے اعتبار سے عجیب تھا۔ قد لمبا، جسم اکہرا، آنکھیں چھوٹی چھوٹی، ناک طوطے کی چونچ سے مشابہ، پیشانی چہرے کے

تناسب کے اعتبار سے کافی اونچی، آنکھوں کے کونے کے قریب کنپٹیوں پر شکنیں اُبھری ہوئی تھیں۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے سفّاکی ٹپک رہی تھی۔ بقیہ چار آدمی دروازے کے قریب کھڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

سعید انہیں دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور بغیر اجازت یہاں کیسے گھُس آئے۔" سعید تیز آواز میں بولا۔

"ہمیں ایک آدمی کی تلاش ہے۔" لمبا آدمی پُر سکون لہجے میں بولا۔ اس کی تیز اور چمکیلی آنکھیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"مگر بغیر اجازت۔۔۔!"

"مُجھے اس کے لیے افسوس ہے۔" اس نے سعید کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ اس کی آنکھیں بدستور اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں۔

"اگر وہ میرے نوکروں میں سے ہے تو نہیں مل سکتا کیونکہ میں سینیچر کی رات کو

اپنے نوکروں کو چھٹی دے دیتا ہوں۔" سعید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا یہاں ابھی کوئی آدمی آیا تھا؟" اس نے کہا اور تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑا رہنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

دور تک قدموں کی آواز سُنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت چھا گیا اور دفعتاً کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

سعید اور اس کی بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔

کوئلے کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہ اجنبی ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہوا باہر نکل آیا۔ سعید کی بیوی نے بنگلے کے دروازے بند کر دیے۔ کمرے میں مکمّل سکوت تھا باورچی خانے سے بُھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خُوشبو اُٹھ رہی تھی۔ اجنبی نے دو چار گہرے گہرے سانس لیے اور کرسی کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

سعید کی بیوی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ واپسی پر اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔ اس نے ایک پیالی چائے بنا کر اجنبی کی طرف بڑھا دی، جو آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ وہ چونک پڑا۔ آنکھوں میں احسان مندی کی جھلک تھی۔

”بیٹی! میں تُم لوگوں کا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اگر آج رات کو میں بچ گیا تو ان سبھوں کو دیکھ لوں گا۔“ اجنبی نے چائے کی پیالی اُٹھاتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد کھانا تیّار ہو گیا۔

تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔۔۔ پھر سعید نے اسے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے اوپری منزل پر جا رہے تھے۔

”آپ یہاں اس کمرے میں سوئیں گے۔“ سعید نے اس سے کہا۔

”شکریہ۔۔۔!“ اجنبی بولا۔ ”مُجھے افسوس ہے کہ میں اپنے متعلّق ابھی آپ کو کُچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ مُجھ پر اعتماد کریں، میں بھی ایک ذی عزّت آدمی ہوں۔“

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ آپ آرام کیجیے۔“ سعید نے کہا۔ ”آپ اپنے نوٹوں کا بنڈل

نیچے چھوڑ آئے ہیں۔ مُجھے کسی قسم کے معاوضے کی ضرورت نہیں۔ خُدا نے مُجھے کافی دیا ہے۔" سعید نیچے چلا آیا۔

وہ اور اس کی بیوی کافی دیر تک اجنبی اور اس کا تعاقب کرنے والوں کے متعلّق گفتگو کرتے رہے۔ سعید کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ ڈر تو سعید بھی رہا تھا لیکن اپنی بیوی کی تسکین کے لیے وہ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا جیسے ان واقعات کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

سعید باتیں کرتے کرتے دفعتاً چونک پڑا۔ اوپر چڑچڑاہٹ کی آواز سُنائی دی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی وزنی چیز دھپ سے چھت پر آ رہی ہو۔

کُچھ قدموں کی آوازیں بھی سُنائی دیں اور پھر سنّاٹا چھا گیا۔ سعید اور اس کی بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ کُچھ دیر بعد سعید اٹھ گیا اس کی بیوی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کہاں۔۔۔؟"

”اوپر۔۔۔!“

”میں بھی چلوں گی۔“

”تم یہاں اکیلے ڈرو گی؟“

”نہیں یہ بات نہیں۔۔۔ میں آپ کو تنہا نہ جانے دوں گی۔“

دونوں دبے پاؤں زینے طے کرنے لگے۔ اوپر سنّاٹا تھا۔ وہاں دونوں چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔ پھر آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گئے اور دفعتاً اس کی بیوی چیخ کر اس سے لپٹ گئی۔

سامنے زمین پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا اور اس کی پشت میں ایک بڑا سا چاقو پیوست تھا۔ زمین پر خُون کی ایک پتلی سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اجنبی نہیں تھا۔ یہ تو وہی تھا جو اس کا تعاقب کر رہا تھا طوطے کی چونچ جیسی ناک والا۔۔۔ اور۔۔۔ اجنبی غائب تھا۔ سعید کی بیوی ابھی تک اس سے لپٹی کھڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی گرفت ڈھیلی ہو رہی تھی۔ سعید نے چونک کر اس کی

طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ سعید اسے اٹھا کر نیچے لے آیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نوکروں کو پہلے ہی چھُٹّی دے چکا تھا۔ گاؤں تقریباً تین فرلانگ کی دوری پر تھا۔ وہ بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر کہیں ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ پَن چکّی پر رہنے والے جھُکّی آرٹسٹ کو آواز دے۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے آواز دینے پر چلا ہی آئے۔ سعید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے سر پر کسی نے کوئی وزنی چیز دے ماری۔ وہ بے ہوش ہو کر گِر پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں تین چار آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

بنک میں گڑبڑ

اسی رات دلاور پُور سے دس میل دوری پر شہر میں نیشنل بنک کی عمارت کے سامنے پولیس کی لاری کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس انسپکٹر جگدیش بنک کے کھُلے ہوئے صدر دروازے کے قریب کھڑا بنک کے منیجر مسٹر گنگولی سے باتیں کر رہا تھا۔

"تو یہ دروازہ کھُلا ہوا پایا گیا۔" انسپکٹر جگدیش نے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔!" گنگولی نے جواب دیا۔

”آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی؟“

”میں اوپر کی منزل میں رہتا ہوں۔“

”اوہ۔۔۔!“ جگدیش نے عمارت پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ نچلی منزل میں بنک تھا۔۔۔ اس کے اوپر ایک منزل اور تھی اور اس کے اوپر سپاٹ چھت۔

”آپ ہی نے مُجھے فون کیا تھا۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”نہیں، میں آپ کو فون کرنے ہی جا رہا تھا کہ آپ پہنچ گئے۔“

”آپ کا نام۔۔۔!“

”پی ایس گنگولی۔“

”جی۔۔۔“ جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ”آپ نے مُجھے فون نہیں کیا تھا۔“

”نہیں۔۔۔!“

”لیکن فون کرنے والے نے بھی یہی نام لیا تھا۔“

”ارے۔۔۔!“ گنگولی چونک بولا۔

”عجیب بات ہے۔“ جگدیش نے کھُلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”چلیے۔“

وہ دونوں اور ایک کانسٹیبل بنک کے اندر داخل ہوئے۔

”اور خزانہ۔۔۔!“

”ٹھہریے۔“ گنگولی نے ایک دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس نے جیب سے کنجیوں کا گچھّا نکال کر دروازہ کھولا اور اندر کا بلب روشن کر دیا۔ یہاں کئی تجوریاں رکھی ہوئی تھیں اس نے ایک ایک کر کے سب تجوریاں کھولیں اور پلٹ کر تحیّر آمیز نظروں سے جگدیش کی طرف دیکھنے لگا۔

”کہیئے۔“

”میرے خیال سے تجوریوں کی چیزیں بھی موجود ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ دروازہ دھوکے سے کھلا رہ گیا۔“ جگدیش نے کہا۔ ”صدر دروازے کی کُنجی کس کے پاس رہتی ہے۔“

”ایک میرے پاس اور ایک صفائی کرنے والے کے پاس۔ لیکن وہ بہت ہی معتبر آدمی ہے۔“

”کیا آج یہ دروازہ اسی نے بند کیا تھا۔“

”نہیں۔۔۔ میں نے۔“ گنگولی نے کہا۔ ”لیکن صُبح کو روزانہ وہی کھولتا ہے۔“

”غالباً صفائی کرنے کے لیے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔!“

”تو آپ کو قطعی اطمینان ہے کہ کوئی چیز گئی نہیں۔“

”ٹھہریے! میری دانست میں تو سارا کیش موجود ہے۔ لیکن میں فون کر کے خزانچی کو بلائے لیتا ہوں۔“ گنگولی نے کہا اور بڑھ کر فون کرنے لگا۔

جگدیش کھڑا سوچ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بے چینی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"یہ صفائی کرنے والا کون ہے۔" جگدیش نے اچانک پوچھا۔

"سلیم۔۔۔!"

"کہاں رہتا ہے۔"

"یہ تو مُجھے معلوم نہیں۔" گنگولی نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"جی۔۔۔!" جگدیش نے حیرت سے کہا۔ "اور آپ نے اس کے پاس چابی کیوں رہنے دی۔"

"وہ کافی معتبر آدمی ہے۔"

"معلوم نہیں آپ کی نظروں میں معتبر ہونے کا کیا معیار ہے۔" جگدیش طنزیہ انداز میں بولا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت معتبر آدمی ہے۔"

"آپ تو اوپر رہے ہوں گے پھر آپ کو دروازہ کھُلنے کا عِلم کس طرح ہوا؟"

"الارم۔۔۔!" گنگولی نے خزانے کی طرف اشارہ کیا۔ "بنک بند کرتے وقت میں اس میں الارم لگا دیتا ہوں جس کی گھنٹی میں نے اوپر لگا رکھی ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ کسی نے یہاں داخل ہو کر خزانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔"

"جی ہاں۔۔۔!"

"لیکن کھولنے میں کامیاب نہیں ہوا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" گنگولی نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔ "کیونکہ اس کا دروازہ بند کرنے پر خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کھولنے والے نے کھول کر بند بھی کیا ہو۔"

"تب تو ہمیں خزانچی کا انتظار کرنا پڑے گا۔" جگدیش نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"الارم سن کر یہاں تک آنے میں آپ کو کتنا عرصہ لگا ہو گا۔"

"تقریباً پندرہ منٹ۔۔۔!" گنگولی نے جواب دیا۔

"پندرہ منٹ۔۔۔!" جگدیش نے حیرت سے کہا۔ "پندرہ منٹ تو بہت ہوتے ہیں۔ خطرے کا الارم سُن کر بھی اتنی دیر کر دی آپ نے۔"

"اس کی بھی وجہ ہے۔" گنگولی نے مُسکرا کر کہا۔ "اکثر چوہوں کی عنایت سے بھی ایسا ہو جایا کرتا ہے اور پھر میں نے سوچا کہ سرِ شام چلتی ہوئی سڑکوں پر کون اس کی ہمّت کر سکے گا۔ اسی خیال سے میں ٹال گیا۔ لیکن پھر طبیعت نہ مانی اور تھوڑی دیر بعد جب میں نیچے اُترا تو دروازہ کھُلا ہوا تھا۔"

"ہوں۔۔۔!" جگدیش نے گنگولی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

گنگولی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ اسی کی حرکت ہو۔" جگدیش نے کہا۔

"میں اس پر یقین کرنے کے لیے تیّار نہیں۔"

"آخر اس یقین کی وجہ؟"

"میں اسے عرصہ سے جانتا ہوں۔"

"اور تعجّب ہے کہ آپ اس کے گھر کے پتے سے واقف نہیں۔" جگدیش نے کہا۔

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے تیور سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کے متعلّق ذکر کرنا پسند نہیں کرتا۔

تھوڑی دیر بعد خزانچی آ گیا۔ اس نے کیش دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ کام بھی ختم ہو گیا۔

"کیش پورا ہے۔۔۔ کوئی کمی نہیں اور دوسری چیزیں بھی موجود ہیں۔" خزانچی نے کہا۔

”خیر۔۔۔ یہ بھی اچھا ہوا۔“ جگدیش نے کہا۔ ”لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کے نام سے مُجھے فون کس نے کیا اور اس کا مقصد کیا تھا۔“

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ باہر شور سُنائی دیا اور ساتھ ہی ایک ایسے دھماکے کی آواز آئی جیسے کوئی بہت وزنی چیز کافی اونچائی سے نیچے پھینکی گئی ہو۔ سارے لوگ گھبرا کر بنک سے سڑک پر نکل آئے۔

”کون ہے۔۔۔ کون گرا۔۔۔“ ایک طرف سے آواز آئی۔

مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ جگدشی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک بے جان آدمی سڑک پر اوندھا پڑا تھا۔

”کہاں سے گِرا۔۔۔!“ جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں پوچھا۔

”اوپر سے۔۔۔!“ کئی آدمیوں نے بنک کی عمارت کی سپاٹ چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش کی ٹارچ کی روشنی گرنے والے کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جگدیش نے

نیچے جھک کر دیکھا۔

"ختم ہو گیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ارے یہ تو سلیم ہے۔" دفعتاً گنگولی کی آواز سُنائی دی۔

"سلیم۔۔۔ کون سلیم۔" جگدیش چونک کر بولا۔ "وہی جو صفائی کرتا تھا۔"

"جی ہاں۔۔۔!" گنگولی گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا۔ "مگر یہ اس وقت یہاں کہاں۔" گنگولی حیرت سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے یہ اوپر روشنی کیسی۔ وہ کون ہے؟" گنگولی بے اختیّارانہ انداز میں چیخا۔

چھت پر کوئی ٹارچ کی روشنی میں سر جھکائے کُچھ دیکھ رہا تھا۔ گنگولی کی چیخ سنتے ہی اس نے ٹارچ بجھادی اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اوپر تاریکی تھی لیکن ستاروں کی چھاؤں میں ایک دھندلا دھندلا سا بے حس و حرکت مجسّمہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ "خبردار۔۔۔ اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔" جگدیش نے ریوالور نکالتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"بہت بہتر حضور والا۔۔۔!" اُوپر سے آواز آئی۔

جگدیش آواز سُن کر چونک پڑا۔ آواز کُچھ جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن اس نے سوچا شاید وہم ہوا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسا نڈر آدمی ہے۔

جگدیش نے سپاہیوں کو اوپر جانے کا اشارہ کیا اور خود ریوالور تانے کھڑا رہا۔ سپاہی آگے بڑھے۔

"انہیں تکلیف نہ دیجیئے گا۔۔۔ میں خود حاضر ہو رہا ہوں۔" اوپر سے آواز آئی۔

"ارے۔۔۔!" جگدیش تقریباً اُچھلتے ہوئے چیخا۔ "تو کیا سچ مچ آپ ہی ہیں۔"

دوسرے لمحے میں زینے پر ٹارچ کی روشنی دِکھائی دی اور ایک آدمی نیچے آیا۔

یہ محکمہ سُراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی تھا۔

جگدیش جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

"آپ یہاں کہاں۔۔۔؟" اس نے معتجبانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ کون ہے کُچھ پتہ چلا؟" فریدی نے جگدیش کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"سلیم۔۔۔ یہاں بنک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔" جگدیش نے کہا۔
"سلیم۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔۔۔!"

فریدی تیزی سے لاش کے قریب آیا اور جھُک کر ٹارچ کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔

"تو اس کا یہ مطلب کہ اس میں گرنے سے پہلے کُچھ کُچھ جان باقی تھی۔" فریدی بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمُجھا۔" جگدیش نے کہا۔

"چھت پر پڑے ہوئے خون کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافی دیر ہوئی نکلا ہے۔ کسی نے شاید اسے زخمی کر کے اوپر ڈال دیا تھا۔ کُچھ ہوش آنے پر شاید اس

نے کروٹ لی اور نیچے لڑھک آیا۔“

”ارے۔۔۔!“

”اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسی نے فون کر کے مُجھے یہاں بلایا تھا۔۔ اور اس سے زیادہ تعجّب خیز بات یہ ہے کہ یہ یہاں اس بنک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔“

پولیس والوں نے مجمع ہٹا دیا تھا۔ جگدیش اور فریدی تنہا کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اس نے خطرے سے واقف ہو کر آپ کو فون کر دیا تھا اور بعد میں مجرم یا مجرموں کے ہاتھوں مارا گیا۔“ جگدیش نے کہا۔

”تو کیا مجرم کامیاب ہو گئے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ بنک میں سب کُچھ جوں کا تُوں موجود ہے۔ غالباً ہنگامہ ہو جانے پر وہ لوگ نِکل بھاگے۔“ جگدیش نے کہا۔ اس نے فریدی کو شروع سے آخر تک سب

حالات بتادیئے۔

"اور گنگولی کہتا ہے کہ اس نے تُم کو فون نہیں کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔!"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آخر اس نے یہ نہیں بتایا کہ سلیم پر اس قدر اعتماد کی کیا وجہ تھی؟"

"جی نہیں۔" جگدیش نے کہا۔ "لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ اسے عرصہ سے جانتا تھا اور میرے خیال میں اعتماد کر لینے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی جب کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ سلیم رہتا کہاں تھا۔"

فریدی مُسکرانے لگا۔ جگدیش کو اس کی یہ بے موقع مُسکراہٹ کُچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔

"اچھا اب لاش کو لاری پر رکھوادو۔" فریدی نے کہا۔ "گنگولی کہاں ہے؟"

"غالباً بنک میں۔۔۔ آیئے چلیں۔" جگدیش نے کہا اور کانسٹیبلوں کو ہدایت دیتا ہوا فریدی کے ساتھ بنک کے اندر چلا گیا۔ خزانچی اور گنگولی اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

فریدی اور جگدیش کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سلیم آپ کے یہاں کتنے دِنوں سے ملازم تھا۔" اس نے گنگولی سے پوچھا۔

"تین ماہ سے۔"

"اور اتنے قلیل عرصہ میں آپ کو اس پر اتنا اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور آپ کو اس کے مکان کا پتہ بھی نہیں معلوم۔"

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔

”میرا خیال ہے کہ آپ نے قریب قریب اس کے سب ناول پڑھے ہوں گے۔“

فریدی نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

”تو آپ بھی اسے جانتے تھے۔“ گنگولی بے اختیار بولا۔

جگدیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آپ کی اور اس کی پرانی دوستی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔!“

”تو پھر آپ نے یہ بات جگدیش سے کیوں چھپائی تھی۔“

”اب جب کہ وہ مر چکا ہے مُجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔“

”تو گویا اس نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ آپ اس کی اصلیت سے کسی کو آگاہ نہ کریں۔“

”جی ہاں۔“

”اس قدر مال دار ہونے کے باوجود بھی اس نے ایسی ذلیل ملازمت کیوں کی تھی؟“

”وہ کہتا تھا کہ وہ ذاتی طور پر بنک کے کاروبار سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے ناولوں میں اس کے متعلّق ٹھیک ٹھیک لکھ سکے۔“

”اس کے متعلّق تو وہ آپ سے بھی معلومات بہم حاصل کر سکتا تھا۔ آخر یہاں نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”اب میں اس کے متعلّق کیا عرض کروں۔ یہ بھی اس کی ایک جھک تھی۔ میرے یہاں ملازمت کرنے سے پہلے وہ عجائب گھر میں ملازم تھا۔“

”عجائب گھر میں۔“ فریدی نے چونک کر پوچھا۔ ”کس عجائب گھر میں؟“

”پرانی یادگار کے عجائب گھر میں۔“ گنگولی نے جواب دیا۔

”اور وہ باوقار تنخواہ لیا کرتا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”عجیب بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ خود بھی کافی مال دار تھا۔“

”وہ میرا دوست ضرور تھا لیکن کہنے والی بات کہنی ہی پڑتی ہے۔“ گنگولی بولا۔ ”اسے دولت کی ہوس تھی اور وہ ایک ایک پیسہ دانت سے پکڑ تا تھا۔“

”اوہ۔۔۔!“

تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھاگئی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ پر کُچھ نہ کُچھ سوچ ہی رہا تھا۔

”کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آخر اس کے اس وقت یہاں موجود ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یہی سوال تو مُجھے بھی اُلجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔“ گنگولی نے جواب دیا۔

”جب سے اس نے میرے یہاں ملازمت کی تھی ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ کبھی

اس طرف کارُخ بھی نہیں کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے۔" جگدیش بولا۔ "شاید مجرم دلاسہ دے کر اسے یہاں تک لائے اور اس سے یہاں کی کُنجی لے کر زخمی کر کے اسے اوپر ڈال گئے۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت یہاں کی کُنجی اپنی جیب ہی میں رکھتا رہا ہو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ کون تھا؟" جگدیش نے پوچھا۔

"تم نے کبھی شکیل ساجد کے جاسوسی ناول پڑھے ہیں۔"

"جی ہاں۔۔۔!"

"یہ شکیل ساجد ہی تھا۔"

"ارے۔۔۔!"

"اُس کا اصلی نام تو سلیم ہی تھا لیکن یہ کتابیں شکیل ساجد کے نام سے لکھا کرتا

تھا۔"

"یہ تو بڑا مشہور مصنّف تھا۔ میں نے اس کی تقریباً پچاس ساٹھ کتابیں پڑھی ہوں گی۔" جگدیش بولا۔

"تو آپ کو یقین ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔" فریدی نے گنگولی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"بہتر۔" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "مُمکن ہے آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔"

لاش پہلے ہی کوتوالی روانہ کی جاچکی تھی۔ فریدی اور جگدیش بھی واپس آ گئے۔ دونوں اس وقت کوتوالی کے ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"تو آپ چھت پر کیسے پہنچ گئے تھے۔" جگدیش نے پوچھا۔

"سلیم نے مُجھ سے فون پر استدعا کی تھی کہ میں جلد سے جلد بنک پہنچ جاؤں، اس

کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت پریشان ہے۔ لہٰذا میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ وہ چھت سے نیچے آ رہا۔ میں بغیر یہ معلوم کئے ہی کہ وہ کون ہے چھت کی طرف لپکا۔ وہاں بالکل سنّاٹا تھا۔ کئی جگہ خُون کے دھبّے جمے دِکھائی دے رہے تھے، جن کی سُرخی کُچھ کُچھ سیاہی میں تبدیل ہو چکی تھی اسی سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حادثہ پیش آئے ہوئے کُچھ عرصہ گزر چکا ہے۔

"شاید کسی نے اُوپر سے اسے پھینک دیا ہو۔" جگدیش بولا۔

"ناممکن۔" فریدی نے کہا۔ "اتنی جلدی وہاں سے نیچے آ جانا ممکن ہی نہیں اور وہاں کوئی چھُپنے کی جگہ بھی نہیں۔"

"آپ نے کوئی نظریہ قائم کیا۔"

"فی الحال کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ مجرموں نے سلیم سے کُنجی حاصل کر کے اپنی دانست میں اسے قتل کر دیا۔"

”اور لاش بنک کی چھت پر ڈال گئے۔“ فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ ”کیا بچّوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر انہیں کُنجی کے لیے اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لیے وہ کوئی ویرانہ منتخب کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب وہ بنک سے گھر واپس جا رہا تھا، اسی وقت کوئی بہلا پھسلا کر اُسے چھت پر لے گیا اور وہیں اسے زخمی کر کے اس سے کُنجی حاصل کر لی تو یہ بھی کُچھ ناممکن ہی سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو اس وقت کافی دِن رہا ہو گا اور وہ چھت کھُلی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ان کے دیکھ لیے جانے کا بھی امکان رہا ہو گا۔ دوسری بات یہ کہ اس کے ٹیلی فون کرنے اور میرے وہاں پہنچنے کا وقفہ بمشکل تمام بیس منٹ رہا ہو گا اور چھت پر پڑے ہوئے خون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ قبل کا ہے۔“

”پھر آخر اسے کیا سمجھا جائے۔“ جگدیش نے اُکتا کر کہا۔

”یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”دوسری چیز یہ بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ گنگولی اس سے انکار کر رہا ہے کہ اس نے تمہیں فون کیا ہے۔“

”بہر حال میں یہ سب کُچھ نہیں جانتا۔“ جگدیش نے کہا۔ ”اگر آپ اس معاملے کو اُلجھا رہے ہیں تو اسے خود ہی سلجھایئے گا بھی۔“

”میں اس کیس میں خود بھی کُچھ دلچسپی کر رہا ہوں۔“ فریدی نے جانے کے لیے اُٹھتے ہوئے کہا۔

ایک اور لاش

فریدی آفس میں بیٹھا پُرانے کاغذات اُلٹ پلٹ رہا تھا کہ سارجنٹ حمید آگیا۔

"آج طبیعت کُچھ بیزار سی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے بدستور سر جھکائے ہوئے پوچھا۔

"بیکاری۔۔۔ دِن بھر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو۔"

"تو یہ کون سی خاص بات ہے۔ تم ایک ہاتھ سر پر اور دوسرا کمر پر رکھے رہا کرو۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

حمید جھینپ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ میں نے کام ڈھونڈ لیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہی بنک والا معاملہ۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!"

"آپ بھی خواہ مخواہ دردِسری مول لیتے پھرتے ہیں۔"

"عجیب آدمی ہو۔۔۔ ابھی بیکاری سے اُکتا رہے تھے اور جو کام بتایا تو جان نکل گئی۔"

"میرا مطلب کُچھ اور تھا۔"

"اور تو کیا شہناز آج کل یہاں موجود نہیں۔۔۔؟" فریدی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تب تو خدا تمہیں غریقِ رحمت کرے۔" فریدی نے کہا اور پھر کاغذات اُلٹنے پلٹنے لگا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو۔۔۔ کون جگدیش۔۔۔ ہاں ہاں فُرصت ہی ہے۔۔۔ ایک اور لاش؟ کہاں۔۔۔؟ دلاور پُور۔۔۔ اچھا۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ لوگ غائب ہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ فُرصت ہی ہے۔۔۔ میں ابھی آیا۔"

"لیجئے جناب حمید صاحب۔" فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک کام اور دستیاب ہو گیا۔"

"جی ہاں۔۔۔ ایک اور لاش۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں لاشوں کی پیداوار کیوں بڑھتی جارہی ہے۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"بس مُجھے معاف ہی رکھئے۔"

"کبھی دلاور پُور گئے ہو۔۔۔؟"

"نہیں!"

"اسی لیے ایسا کہہ رہے ہو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"خیر میں تمہیں لے جانا مناسب بھی نہیں سمجھتا۔"

"کُچھ کہئے گا بھی یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتے رہئے گا۔"

"ارے چھوڑو بھئی۔۔۔ جا کر اپنا کام کرو۔" فریدی اُکتائے ہوئے لہجہ میں بولا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔

فریدی کار اسٹارٹ کرنے جا ہی رہا تھا کہ حمید بھی آ کر بیٹھ گیا۔

"بہر حال تم نہیں مانو گے۔" فریدی نے مُسکراتے ہوئے کہا اور کار اسٹارٹ کر

دی۔

کوتوالی میں جگدیش اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”کہو بھئی کیا معاملہ ہے؟“ فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

”ارے صاحب ایک معاملہ صاف نہیں ہوا تھا کہ دوسرا پیدا ہو گیا۔“ جگدیش نے کہا۔ ”دلاور پُور کے سعید کا نام تو آپ نے سُنا ہو گا۔“

”وہی انگلینڈ ریٹرن کسان۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔!“ جگدیش نے کہا۔ ”دلاور پُور چوکی کے چوکیدار نے اطلاع دی ہے کہ سعید کے گھر میں ایک لاش ملی ہے اور وہ دونوں میاں بیوی غائب ہیں۔ آج صُبح جب گھر کے نوکر آئے تو انہوں نے گھر کھُلا ہوا پایا۔ وہ دونوں غائب تھے اور چھت پر ایک لاش ملی۔“

”کھلی چھت پر۔۔۔؟“ فریدی نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔شاید اوپری منزل کے ایک کمرے میں۔"

"غالباً مکان پر وہاں کی چوکی کے ہیڈ کانسٹیبل نے پہرہ لگوادیا ہوگا۔"

"جی ہاں۔۔۔!"

"ٹھیک۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "تو اب کیا ارادہ ہے۔"

"آپ ہی کے انتظار میں رُکا ہوا تھا۔" جگدیش نے کہا۔ "میں آپ کو بہت تکلیف دیتا ہوں۔"

"خیر تکلّفات کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "آؤ چلیں۔"

فریدی حمید اور جگدیش کار میں بیٹھ کر دلاور پُور کی طرف روانہ ہوگئے۔

سعید کے مکان کے سامنے پہرہ لگا ہوا تھا۔ وہ لوگ کھلیان سے گزرتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ دلاور پُور کی چوکی کا ہیڈ کانسٹیبل بھی تھا۔

"لاش کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میرے ساتھ آیئے۔" ہیڈ کانسٹیبل زینے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اوپر کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سِگار سُلگایا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کمرے میں اس لاش کی موجودگی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی۔ اس نے مکان کی پُشت پر کھلنے والی کھڑکی کی طرف غور سے دیکھا، جو اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔

"تم جب یہاں داخل ہوئے تو یہ کھڑکی کھُلی ہوئی تھی۔" فریدی نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔!"

اب فریدی لاش کی طرف متوجّہ ہوا۔ اس کی پُشت میں ابھی تک چاقو لگا ہوا تھا۔ فریدی نے جیب سے محدّب شیشہ نکالا اور چاقو کے دستے کا جائزہ لینے لگا۔

"انگلیوں کے نشانات تھے تو ضرور۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔

"لیکن کسی نے انہیں صاف کر دیا۔ کہیں اب بھی ایک آدھ نشان موجود ہے مگر مکمل نہیں۔" پھر وہ ہیڈ کانسٹیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ "کسی نے لاش کو چھوا تو نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" فریدی نے کہا۔ "ممکن کہ تمہارے پہنچنے سے قبل ہی کسی نوکر نے اسے چھوا ہو۔"

"نوکروں کا تو یہی بیان ہے کہ کسی نے اس کمرے میں داخل ہونے کی ہمّت نہیں کی۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے پھر جھک کر لاش کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"قتل یہاں اس کمرے میں نہیں ہوا۔" فریدی نے سر اُٹھا کر کہا۔

"پھر۔۔۔؟" جگدیش نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔۔۔ لیکن قتل اس کمرے میں نہیں ہوا۔"

"آخر کیسے؟"

"یہاں پر بہے ہوئے خون کی مقدار۔۔۔!" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا۔ "اتنا کم خون۔"

حمید اور جگدیش سوچ میں پڑ گئے۔

فریدی لاش کے پاس سے ہٹ کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ وہ باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مکان کے پیچھے چھوٹا سا میدان تھا اور اس کے بعد ہی زمین ڈھلوان ہو گئی تھی۔

"کیا یہ کوئی ندی ہے۔۔۔؟" فریدی نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔ دریائے گھاگھرا کی ایک شاخ۔"

"یہاں سے کتنا فاصلہ ہو گا۔۔۔؟"

”تقریباً ایک فرلانگ۔۔۔!“

”لیکن یہاں سے پانی نہیں دِکھائی دیتا۔“

”یہ جگہ کافی اونچائی پر ہے۔“

”اوہ۔۔۔!“ فریدی نے نیچے جھک کر کُچھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”کُچھ نہیں۔۔۔ آؤ نیچے چلیں۔“ اس نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مُڑ کر کہا۔ ”اور وہاں وہ سامنے چھوٹی سی عمارت کیسی ہے؟“

”پَن چکّی ہے۔۔۔ کبھی چلتی تھی۔ تقریباً ایک سال سے بند پڑی ہے۔“

”تو وہ عمارت خالی ہے۔“

”جی نہیں۔۔۔ وہاں ایک پاگل سا آدمی رہتا ہے۔ خود کو آرٹسٹ کہتا ہے۔ اکثر تصویریں بنا کر بِکنے کے لیے شہر بھیجتا رہتا ہے۔“

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سب لوگ نیچے اُتر آئے۔ فریدی ایک ایک کمرے کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔

"یہ شاید ان دونوں کے سونے کا کمرہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ اس کی تیز نظریں کونے کونے میں پہنچ رہی تھیں۔

"یہ دیوار پر خون کی چھینٹیں کیسی؟" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

"اوہ۔۔۔!" جگدیش دیوار کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تو کیا۔۔۔ تو کیا۔۔۔ اسے یہیں قتل کیا گیا۔"

"لیکن یہاں قتل کر کے اوپر لے جانے کا کیا مطلب۔۔۔؟"

"بہت ممکن ہے کہ انہوں نے اسے یہیں قتل کیا ہو اور تاک میں رہے ہوں کہ موقع پا کر لاش کو کہیں ٹھکانے لگا دیں۔" جگدیش بولا۔ "اور پھر کسی وجہ سے انہیں اس کا موقع نہ مل سکا ہو۔ بہت ممکن ہے کوئی ملنے والا آ گیا ہو اور انہوں نے جلدی میں لاش کو اوپر پہنچا دیا ہو اور پھر اسے وہاں سے اُتار کر اِدھر اُدھر نہ

کر سکنے کی بناء پر صُبح ہو جانے کے خوف سے فرار ہو گئے ہوں۔"

"اور اتنی دیر تک وہ اس کے زخم میں برتن لگا کر اس میں اس کا خون اکٹھا کرتے رہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کیا فضول بکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو یہاں فرش پر بھی خون کا ایک آدھ دھبّہ ہونا چاہیے تھا۔"

فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"یہ سینڈل غالباً سعید کی بیوی کی ہے۔" فریدی نے ایک سینڈل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن دوسرا کیا ہوا۔"

"میں ابھی تلاش کرتا ہوں۔" حمید نے بڑی مُستعدی کے ساتھ کہا اور سینڈل اُٹھا کر کمرے کے باہر جانے لگا۔

”ارے تم اسے کہاں لیے جا رہے ہو۔“

”جوڑ ملانے کے لیے۔۔۔ ممکن ہے دوسرا ڈھونڈ لاؤں۔“ حمید نے کہا اور چلا گیا۔

”عجیب لونڈا ہے۔“ فریدی نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

”ایک بستر صاف ہے اور دوسرے پر شکنیں۔ فریدی نے جھک کر پُر شکن آلود بستر پر کُچھ دیکھتے ہوئے کہا۔“ غالباً سینڈل کے تلے کا نشان ہے۔ سعید کی بیوی بڑی بد تمیز تھی کہ ایسے شفاف بستر پر سینڈل سمیت چڑھ جاتی تھی۔ مگر دوسرا نشان نہیں ہے۔ سینڈل کے ساتھ ہی ساتھ دوسرا نشان بھی غائب ہو گیا۔ نشان داہنے سینڈل کا ہے اور داہنے پیر کا سینڈل بھی یہاں نہیں ہے کیوں جگدیش صاحب۔۔۔ کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔“

”صاحب مُجھے تو ابھی تک ہر چیز دلچسپ ہی نظر آ رہی ہے۔“ جگدیش بولا۔

اتنے میں حمید آ گیا۔ سینڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔

”سینڈل تو نہیں ملا۔۔۔ لیکن ایک دلچسپ چیز ملاحظہ ہو۔“ حمید نے سو سو روپے

کے دو نوٹ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا۔۔۔؟"

"لاش والے کمرے میں سینڈل تلاش کرنے کے لیے میں نے صوفہ ہٹایا تھا، اس کے پیچھے مُجھے یہ دو نوٹ پڑے ہوئے ملے۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے نوٹوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "بالکل نئے ہیں، یہاں تک کہ ایک آدھ بار موڑے بھی نہیں گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بنڈل میں سے سِرک کر نکل گئے ہوں۔" پھر اس نے ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"کیا سعید کوئی لاپرواہ آدمی تھا؟"

"قطعی نہیں۔۔۔ میں نے اس جیسا بااصول آدمی آج تک دیکھا ہی نہیں۔ شائد وہ پائی پائی کا حساب رکھتا تھا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اوپر کوئی تجوری بھی نہیں۔۔۔ کوئی صندُوق بھی نہیں نظر آیا اور شائد اس

بڑے صوفے کی طرف کپڑے وغیرہ لٹکانے کے لیے کھونٹیاں بھی نہیں ہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ کپڑے لٹکاتے وقت شاید جیب سے گر گئے ہوں۔" فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ "کل رات بنک میں کوئی گھُسا۔۔۔ کل رات ہی کو یہاں بھی ایک واردات ہوئی اور یہ نئے نوٹ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"چلئے آگئی شامت۔۔۔ نیشنل بنک اور سعید مزید اُلجھ گئے۔" حمید مُسکرا کر بولا۔

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل آئے۔ فریدی پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

سب لوگ مکان سے نکل کر پچھواڑے کی طرف جا رہے تھے۔

فریدی عین کھڑکی کے نیچے رُک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی نگاہیں دیوار کی طرف اٹھنے لگیں۔ دفعتاً وہ مُسکراتا ہوا جگدیش وغیرہ کی

طرف مُڑ گیا۔

"اب ہمیں یہیں کہیں بانس کی ایک سیڑھی تلاش کرنی چاہیے۔" فریدی نے کہا۔

سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ فریدی آگے بڑھ کر میدان میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔۔۔ دفعتاً ایک طرف چلنے لگا اور پھر کانٹے دار جھاڑیوں کی قطار کے قریب جا کر رُک گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

سب لوگ تیزی سے اس کے قریب پہنچے۔

"لو وہ سیڑھی بھی مل گئی۔"

جھاڑیاں ہٹا کر سیڑھی نکالی گئی۔ سیڑھی پر کئی جگہ خون کی چھینٹیں تھیں سب لوگ استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔ "سارا کام بہت جلدی میں کیا گیا۔" فریدی بولا۔ "سیڑھی یہاں تک لانے والا تو اتنا بوکھلایا ہوا تھا کہ اس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ سیڑھی کا ایک پایہ زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا ہے۔ اگر

اس پائے کے بنائے ہوئے نشان میری رہبری نہ کرتے تو ذہن اتنی جلدی اِن جھاڑیوں کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"اور سیڑھی کا خیال آپ کو آیا کیسے؟" حمید نے پوچھا۔

"ٹھیک کھڑکی کے نیچے زمین پر دو عدد گول اور گہرے نشانات دیکھ کر۔۔۔" فریدی نے کھڑکی کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔" اور دیوار پر کھڑکی کے قریب خون کی چھینٹیں بھی ہیں۔ یہ دیکھو یہ رہے سیڑھی کے نشانات۔ یہاں زمین کافی سخت ہے اور نشانات خاصے گہرے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے کہا۔

"سیڑھی یہاں منگواؤ۔" فریدی نے کہا۔

"ہیڈ کانسیٹبل دوڑ کر سیڑھی اُٹھالایا۔"

"اسے دیوار سے لگادو۔" فریدی نے کہا۔" اور اب جگدیش تم اس پر چڑھو۔ ہاں ٹھیک اب اتر آؤ۔۔۔ دیکھو یہ نشانات اتنے گہرے نہیں ہیں۔ اب تم اگر حمید کو

اپنے کاندھے پر لاد کر چڑھ سکتے ہو تو صرف دو تین ڈنڈوں تک چڑھنے کی کوشش کرو۔"

حمید ہنسنے لگا۔ جگدیش بھی کُچھ مُسکرایا لیکن فریدی کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر دونوں سنبھل گئے۔ جگدیش نے حمید کو کاندھے پر لاد کر سیڑھی پر چڑھنا شروع کیا۔ "ٹھیک ٹھیک، بس اب نیچے اُتر آؤ۔ دیکھو سنبھل کر۔۔۔ ڈرو نہیں۔۔۔ میں سیڑھی سنبھالے ہوئے ہوں۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ اب ان نشانات کو دیکھو۔۔۔ قریب قریب یہ نشانات اتنے ہی گہرے ہیں جتنے کہ کھڑکی کے نیچے والے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" حمید نے چونک کر کہا۔

"تم ہمیشہ گدھے ہی رہو گے۔" فریدی نے کہا۔ "مطلب یہ کہ لاش اسی طرف سے اوپر لے جائی گئی۔"

"بہت خوب۔۔۔ خون سونے کے کمرے میں کیا گیا جیسا کہ وہاں کی دیوار پر پڑی

ہوئی چھینٹوں سے ظاہر ہے اور اسی طرف کے زینے سے اوپر لے جانے کے بجائے اس نے اتنا چکّر لگایا اور بانس کی سیڑھی لگا کر لاش کو اس طرف سے اوپر لے گیا۔ گویا اچھا خاصا احمق تھا۔"

"جی نہیں۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "وہ اس سے بھی زیادہ احمق تھا کیونکہ لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کے بجائے اوپر لے جا کر بحفاظت رکھ دیا اور خود بیوی سمیت دعوت کھانے چلا گیا اس نے ایسا اس لیے کیا کہ اس کی عدم موجودگی میں پولیس والوں کو زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔"

جگدیش ہنسنے لگا اور حمید نے جھینپ کر بغلیں جھانکنے شروع کر دیں۔

"میرا خیال ہے کہ سونے کے کمرے میں خود انہیں کوئی حادثہ پیش آیا۔ ایک سینڈل کا نداردہونا اسی شُبہے کی طرف لے جاتا ہے۔"

"اور لاش۔۔۔؟" حمید جلدی سے بولا۔

"کسی دوسرے نے پھنسانے کے لیے یہاں رکھ دی۔" فریدی نے پُر سکون لہجے

میں کہا۔

”لیکن اب مُجھے کیا کرنا چاہیے ؟“ جگدیش پریشانی کے لہجے میں بولا۔

”سعید اور اس کی بیوی کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دو۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن آپ تو اُنہیں بے گناہ ثابت کر رہے ہیں۔“

”اگر تمہیں میرے مشورے کی ضرورت ہے تو جو میں کہوں وہ کرو۔۔۔ بقیہ معاملات مُجھ پر چھوڑ دو۔“ فریدی نے کہا۔

”بہت بہتر۔۔۔!“ جگدیش نے کہا۔

”خیر یہ مسئلہ تو طے ہوا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اب یہ دیکھنا ہے کہ مقتول ہے کون ؟“

”اور یہی مسئلہ سب سے ٹیڑھا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ٹیڑھا کیوں۔۔۔ کیا تُم اسے نہیں پہچانتے ؟“ فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔۔۔مذاق نہیں۔۔۔"

"تم ابھی اسے پہچان لوگے۔" فریدی پھر مکان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

یہ لوگ پھر لاش والے کمرے میں لوٹ آئے۔ فریدی نے مقتول کی پشت سے چاقو کھینچ کر اُسے سیدھا کیا۔

"دیکھو غور سے دیکھو۔۔۔ کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کمال کیا آپ نے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیوں آپ پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"تو تُم اِسے نہیں پہچانتے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں پہچانتا۔۔۔!" حمید نے کہا۔ "ویسے کُچھ کُچھ خیال پڑتا ہے کہ کہیں اسے دیکھا ضرور ہے۔"

"ٹھیک۔۔۔!" فریدی بولا۔ "میں یہی جاننا چاہتا تھا۔"

حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"چھ سات ماہ قبل کی بات ہے، تُم نے مُجھے اخبار میں ایک مُضحکہ خیز تصویر دکھائی تھی۔۔۔ یاد کرو۔۔۔ طوطے کی چونچ جیسی ناک۔۔۔ اور تُم نے اُس کے ماتھے پر پھبتی کسی تھی۔۔۔ چھپر کھٹ۔۔۔ کہو یاد آیا۔"

"اوہ۔۔۔!" حمید تقریباً اُچھل کر بولا۔ "وہی۔۔۔ خُدا کی قسم بالکل وہی ہے۔"

"اس کا نام یاد ہے۔"

"نہیں۔۔۔ نام تو نہیں یاد۔"

"یہ تو یاد ہی ہو گا کہ تصویر کس سلسلے میں چھپی تھی۔"

"شاید کوئی مقدمہ تھا۔"

"ٹھیک۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔ "مقدمے کی تفصیلات یاد ہیں؟"

"نہیں۔۔۔!"

”ہاں بھئی سنو جگدیش۔“ فریدی بولا۔ ”مقتول کا نام صفدر مرزا ہے۔ کنور شمشیر بہادر مرحوم کا چچازاد بھائی۔ تُم نے یہ بھی سُنا ہو گا کہ پچھلے سال کنور شمشیر بہادر رنگون میں مچھلیوں کا شکار کھیلتے وقت دریا میں ڈوب گئے تھے اور تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اُن کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔“

”وہی کنور شمشیر بہادر تو نہیں، شہر میں جن کی حویلی کاشانۂ شمشیر کے نام سے مشہور ہے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”بالکل وہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور جس کے لیے شاید یہ بھی مشہور ہے کہ وہاں اب بھُوتوں نے قبضہ جما لیا ہے۔ ہاں تو یہ شمشیر مرزا قریب قریب بالکل دیوالیے ہو کر رنگون چلے گئے تھے۔ وہاں اُن کو یہ حادثہ پیش آیا۔ پھر رنگون ہی سے اُن کے ایک وارث اور اُن کی جائیداد کے دعویدار نمودار ہوئے۔ وہ یہی صفدر مرزا ہیں لیکن جب بے چارے کو یہ معلوم ہوا کہ شمشیر بہادر کے پاس اس حویلی کے علاوہ کُچھ اور نہیں رہ گیا تو اُس کا دِل ٹوٹ گیا اور پھر اُس کے بعد سے اُس کے متعلّق کُچھ بھی نہیں سُنا گیا اور اب معلوم نہیں کِس نے اُسے بھی مار

ڈالا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ جگدیش وغیرہ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"اب بھلا بتائیے۔" جگدیش بولا۔ "اگر میں آپ کو ساتھ نہ لاتا تو یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوتیں۔"

"لیکن ایک چیز ہمیشہ مُجھے متحیّر کرتی رہی۔" فریدی جگدیش کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ "رنگون میں شمشیر بہادر ڈوب کر مرے اور رنگون ہی سے صفدر مرزا وارث بن کر آیا۔۔۔ جب کہ وہ ہمیشہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ اُن کا کوئی وارث ہی نہیں۔"

خبطی مصوّر

تین بجے کے قریب جگدیش لاش کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ فریدی اور حمید مزید تحقیقات کے لیے وہیں رُک گئے۔

''مُجھے یہ دونوں نوٹ بہت زیادہ اُلجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر آپ بنک والے معاملہ کو اس واقعہ سے اُلجھانے پر کیوں تُلے ہوئے ہیں۔'' حمید بولا۔

''میں نے ابھی تک یہ تو نہیں کہا کہ ان دونوں میں کوئی تعلّق ہے۔''

"آپ کی باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"تو پھر ممکن ہے کہ اِن دونوں میں کوئی تعلّق پیدا ہی ہو جائے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"خُدا وہ وقت نہ لائے تو بہتر ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے حمید کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خواہ مخواہ دوڑ دھوپ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔"

"پھر کیوں دوڑے چلے آئے۔"

"اپنی شرافت کا ثبوت دینے کے لیے۔" حمید نے کہا۔ "مگر افسوس مُجھے اس کا موقع نہ مل سکا۔"

فریدی بے ساختہ ہنسنے لگا۔

""آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اچھا بے وقوف بنا کر لے آیا۔" حمید نے جھینپی ہوئی

ہنسی کے ساتھ کہا۔ ”حالانکہ یہ غَلَط ہے۔ میں خود ہی آنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے عرصے سے کوئی باقاعدہ قسم کا قتل نہیں دیکھا تھا۔“

”تب تو بڑا اچھا ہوا کہ تمہیں شرافت دِکھانے کا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ تمہیں اس کا باقاعدہ تجربہ ہو جاتا۔“

حمید اس کے جواب میں کُچھ کہنا چاہتا تھا مگر رُک گیا۔ دِن بھر کی تھکن کی وجہ سے اس کا دِل ہی بولنے کو نہ چاہتا تھا۔ فریدی اور وہ قصبے کے اندر آئے اور تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن سعید کے عادات و اطوار کے متعلّق معلومات کے علاوہ کوئی اور کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔

”معاملہ کافی اُلجھا ہوا ہے۔“ فریدی نے قصبے سے لوٹتے وقت کہا۔

”ہوں۔۔۔!“ حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

”اوہ۔۔۔!“ فریدی دفعتاً چونک کر بولا۔ ”پَن چکّی تو رہ ہی گئی۔“

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ دونوں پَن چکّی کے دروازے پر آکر رُک گئے، جو اندر سے بند تھا۔

فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔۔۔ وہ بدستور دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سُنائی دی۔

"بھاگ جاؤ۔۔۔!" اندر سے بھرّائی ہوئی آواز آئی۔ "اِس وقت یہاں جِنوں کے بادشاہ استخدوش اعظم تشریف فرماہیں۔"

"دروازہ کھولو۔۔۔!" فریدی تُند لہجے میں بولا۔

"خیریت چاہتے ہو تو چُپ چاپ چلے جاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو۔۔۔ ورنہ توڑ دیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"توڑ دیا جائے گا۔۔۔؟" اندر سے آواز آئی۔ "دیکھ لوں گا۔"

"ہم پولیس کے آدمی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھّا۔۔۔!" اندر سے آواز آئی۔ "بڑی خوشی ہوئی تم لوگوں سے مل کر۔۔۔

لیکن میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔"

"توڑ دو دروازہ۔۔۔!" فریدی نے حمید سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ حمید نے دروازے پر دو تین لاتیں رسید کیں۔

"ارے ارے۔" اندر سے آواز آئی۔

حمید اور تیزی سے دروازے کو ہلانے لگا۔

"ارے ارے۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو بھائی۔" اندر سے پھر آواز آئی۔

"دروازہ توڑ رہے ہیں۔" حمید بولا۔

"اچھّا ٹھہرو۔۔۔ کھولتا ہوں۔"

دروازہ کھُل گیا۔ ایک میلا کچیلا آدمی اندر کھڑا دونوں کو گھور رہا تھا۔

وہ مضبوط ہاتھ پیر کا ضرور تھا، لیکن انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ حد درجہ کاہل واقع ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں سے عجیب قسم کا وحشیانہ پن ظاہر ہو رہا تھا۔

"آخر تم دونوں مُجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ مگر تم اس قصبے کے نہیں معلوم ہوتے۔" اس نے کہا۔ فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر گھُس گیا۔

"ارے ارے یہ کیا۔" اس نے احتجاجاً کہا۔

"بکو مت۔۔۔!" فریدی بولا اور متجسسانہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

یہ ایک کافی لمبا چوڑا کمرہ تھا۔۔۔ ایک طرف ایک پرانی چکّی نصب تھی۔ دو ایک ٹوٹے پھوٹے صندوق، ایک میلی سی صراحی، ایک انگیٹھی اور کُچھ برتن ایک کونے میں کُچھ برش رنگوں کے ڈبّے اور ایک ایزل پڑے ہوئے تھے۔ پُشت پر دریا کی جانب ایک کھڑکی تھی جس میں سلاخیں نہیں تھیں۔

فریدی اس آدمی کی طرف متوجّہ ہوا، جو متحیّر اور قہر آلود نگاہوں سے دونوں کو گھور رہا تھا۔

"تم یہاں تنہا رہتے ہو۔۔۔؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میرے ساتھ جِنوں کی شہزادی بھی رہتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"کوئی آدمی بھی رہتا ہے۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن تم مُجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ خیریت چاہتے ہو تو چُپ چاپ چلے جاؤ۔۔۔ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

"تم کیا کام کرتے ہو۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"جھک مارتا ہوں۔۔۔ تُم سے مطلب۔۔۔؟" اس نے اس انداز میں کہا کہ حمید کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ فریدی بدستور سنجیدہ تھا۔

"جھک مارنے کی رفتار کیا ہے؟" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ حمید سنجیدہ ہو گیا۔

"سنو۔۔۔ تم بہت اچھے آرٹسٹ ہو۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "میں تم سے ایک تصویر بنوانا چاہتا ہوں۔۔۔ معقول معاوضہ دوں گا۔"

"مُجھے فرصت نہیں۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”ہر بڑا آدمی یہی کہتا ہے۔“

”نہیں نہیں سچ کہتا ہوں۔۔۔ خوش کر دوں گا۔“ فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تو تُم بنا رہے ہو میرے لیے تصویر۔“ فریدی نے پھر کہا۔

”کیا بنواؤ گے۔۔۔؟“

”ایک عورت کی تصویر جو اپنے بچّے کو دودھ پلا رہی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ایک سگریٹ ہو گی تمہارے پاس۔“

”میں سگریٹ نہیں پیتا۔“

”بالکل نہیں۔۔۔؟“

”نہیں۔ مُجھے منہ سے دھواں نکالنا پسند نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”اور نہ میں اپنے قریب کسی ایسے آدمی کا وجود برداشت کر سکتا ہوں۔“

”کل رات یہاں کون آیا تھا۔“ فریدی نے اچانک پوچھا۔ وہ چونک پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں مُسکرانے لگا۔

”پریاں آئی تھیں۔۔۔ وہ رات بھر لوریاں دے دے کر مُجھے سلاتی رہتی ہیں۔“

”میں پوچھتا ہوں کل رات کو یہاں کون آیا تھا۔“ فریدی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

”میں بتا تو رہا ہوں۔“

اچانک فریدی نے اسے اس زور کا چانٹا رسید کیا کہ وہ لڑکھڑا گیا۔

”کون آیا تھا۔۔۔ یہاں کل رات کو۔“ فریدی پھر گرجا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”کون آیا تھا۔“ فریدی مُکّا تانتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

”بتاتا ہوں۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال لیے اور اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

”اُس نے مُجھے دس روپے دیے تھے۔“ اس نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر فریدی کو دکھاتے ہوئے کہا۔

”اُس کے ساتھ کے دوسرے آدمیوں نے کہاں رات گزاری تھی۔“

”اُس کے ساتھ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔“

”اُس کا نام پوچھا تھا تم نے۔“

”اُس نے نہیں بتایا۔“

”اِس سے پہلے تُم نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔“

"کہیں نہیں۔"

"وہ کیسا تھا۔"

"ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھرکم آدمی۔"

"کیا بہت موٹا تھا۔"

"بالکل نہیں۔۔۔ وہ موٹا نہیں تھا۔۔۔ پھر بھی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔"

"کیا کوئی بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا۔"

"ہاں۔۔۔!"

"تو اُس نے رات یہیں گزاری تھی۔"

"نہیں تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا تھا۔"

"تو پھر اس نے تمہیں دس روپے کس بات کے دیے تھے۔"

"اس لیے کہ کم از کم رات بھر میں اپنا مُنہ بند رکھوں۔"

"یعنی۔۔۔؟"

"رات بھر اس کے متعلّق کسی سے کُچھ نہ کہوں۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "سعید کے متعلّق تُم نے سُنا۔"

"ہاں۔۔۔!" اس نے جواب دیا اور اس کے چہرے سے اضمحلال ظاہر ہونے لگا۔

"تمہارے اُس کے تعلّقات کیسے تھے۔"

"میں امیر آدمیوں سے کسی قسم کا تعلّق رکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"کیا وہ ایسا آدمی تھا کہ کسی کو قتل کر دے۔"

"میں اس کے متعلّق بھی کُچھ نہیں بتا سکتا۔"

"تمہارا ذریعۂ معاش۔"

"مصوّری۔"

"بسر اوقات مُشکل سے ہوتی ہو گی۔"

”یہ میرا نجی معاملہ ہے۔“

”کل رات تُم نے یہاں قریب ہی کوئی چیخ سُنی تھی۔“

”نہیں۔۔۔!“

”اچھا یہ لو دس روپے۔ تصویر بنا دینا۔ کسی دِن آ کر لے جاؤں گا۔ بقیہ بیس روپے پھر دوں گا۔“

فریدی نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دونوں باہر چلے گئے۔

”اس خبطی مصوّر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا آپ کو اس کی کہانی پر یقین آ گیا ہے۔“

”اس کے متعلّق ابھی کُچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”آپ تو سگریٹ پیتے نہیں پھر آپ نے اس سے سگریٹ کیوں مانگا تھا۔“

"محض یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ سگریٹ پیتا ہے یا نہیں۔"

"اسے معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ معلوم کئے بغیر میں یہ اندازہ لگا ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کے یہاں رات کوئی آیا تھا یا نہیں۔"

حمید اس طرح ہنسنے لگا جیسے فریدی نے کوئی بہت ہی بے تکی بات کہہ دی ہو۔ "اس طرح مت ہنسو پیارے۔۔۔ میں نے وہاں کاروان اے' سگریٹ کے دو تین جلے ہوئے ٹکڑے دیکھے تھے۔ میرے خیال سے اس قصبہ میں تو کوئی اس سگریٹ سے شوق نہ کرتا ہوگا۔" حمید سنجیدہ ہو گیا۔

"حد ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "آپ اتنی سی چیزوں پر نظر رکھتے ہیں۔"

بھُوت

سعید کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک تاریک کمرے میں پایا جس کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ سر کے پچھلے حصّے میں کُچھ ایسی تکلیف محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی وہاں پر ہتھوڑے مار رہا ہو۔ اُس کا ہاتھ بے اختیار سر پر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سر پر پٹّی بندھی ہوئی ہے۔ دفعتاً اسے سارے واقعات یاد آ گئے۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری تھی۔ وہ لاش۔۔۔ بیوی کی بے ہوشی، آخر وہ ہے کہاں، اس نے لیٹے ہی لیٹے اِدھر اُدھر ہاتھ چلائے۔ وہ ایک سنگین فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اُٹھنے کی کوشش کی۔ داہنی کہنی زمین پر ٹیک کر اس نے سر

اُٹھایا ہی تھا کہ اسے دور قدموں کی آہٹ سُنائی دی، جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اُسی کمرے کا ایک دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ تاریکی میں ایک متحرک سایہ نظر آرہا تھا۔ وہ سعید کے قریب آکر رُک گیا۔

"کیا تمہیں ہوش آگیا تھا۔" ایک آواز آئی۔

"ہاں۔۔۔!" سعید نے جلدی سے کہا۔ "لیکن تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں۔"

"تُم جہاں بھی ہو خیریت سے ہوگے۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔"

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔" سعید نے پوچھا۔

"کسی بُری نیّت سے نہیں، ایک خاص مقصد کے تحت جس کے پورا ہوتے ہی تُم چھوڑ دیے جاؤ گے۔"

"لیکن تُم ایک جُرم کر رہے ہو۔ کسی شہری کو اس طرح بند کر کے رکھنا قانوناً جُرم ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔۔۔ لیکن تمہارا قانون میرا کُچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" آواز آئی۔

"تم مُجھے چھوڑ دو بہتر یہی ہے۔"

مُجھے جو کُچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے۔۔۔ ذرا اُوپر نظر اٹھاؤ۔۔۔ وہ روشن دان دیکھ رہے وہ جس سے کُچھ کُچھ روشنی آ رہی ہے۔ وہاں ایک آدمی رائفل لیے تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ تم ہلے اور اس نے گولی چلائی۔ کیا سمجھے!"

"تُم آخر ہو کون۔۔۔؟" سعید نے پوچھا۔

غالباً اِس کے جواب میں ایک عجیب طرح کی کھنکھناہٹ سُنائی دی اور پھر آہستہ آہستہ وہی کھنکھناہٹ ایک وحشت ناک قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ سعید کے جسم کے سارے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسی بھیانک آواز والا اور اتنا پُر اسرار قہقہہ اس نے آج تک نہ سنا تھا۔

آنے والے نے دفعتاً دیا سلائی جلائی اور سگریٹ سلگانے لگا۔

سعید کے منہ سے بے اختیّار چیخ نکل گئی۔ وہ بُری طرح لرز رہا تھا۔

"مگر تُم۔۔۔ تُم۔۔۔!" سعید ہکلایا۔ "تم۔۔۔ میرے مکان میں تمہاری لاش۔۔۔"

"تو کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔" آواز آئی۔

سعید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کمرہ ہل رہا ہو۔

"اِسی سے تُم اندازہ لگا سکتے ہو۔۔۔ کہ تُم کہاں ہو۔" آواز پھر سُنائی دی۔ "تُم کاشانۂ شمشیر میں ہو۔۔۔ نام سُنا ہے کبھی کاشانۂ شمشیر کا۔"

"کاشانۂ شمشیر۔۔۔" سعید سوچنے لگا۔ "کاشانۂ شمشیر، کنور شمشیر بہادر کی حویلی۔۔۔ جس کے متعلّق مشہور ہے کہ وہاں بھُوت رہتے ہیں۔" سعید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔۔۔ اور کمرہ اور زور سے ہلنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کمرہ آہستہ آہستہ ہوا میں اُٹھ رہا ہو۔ ہچکولے لیتا ہوا سعید بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر ہوش میں آگیا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ خود اپنی سانس کی آواز اسے ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بپھرا ہوا سمندر چٹانوں سے ٹکرا رہا ہو۔

کافی عرصے تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ روشن دان جس سے کُچھ دیر قبل دُھندلی دُھندلی سی روشنی آ رہی تھی اب بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ سعید آہستہ آہستہ دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ رُک گیا لیکن کہیں کسی قسم کی کوئی آہٹ سُنائی نہ دی۔ اس نے دروازے کو پکڑ کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا۔ اس کا دِل شدّت سے دھڑکنے لگا۔ دروازہ کھُلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے میں تھوڑی سی درز کی اور باہر جھانکنے لگا۔ برآمدہ بالکل تاریک تھا اور چاروں طرف سنّاٹا۔ وہ آہستہ آہستہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا برآمدے میں آیا۔ اور اب وہ مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر جھکا ہوا حتّیٰ الامکان تیزی سے پھاٹک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ایک آدھ بار بچپن میں وہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آ چکا تھا اس لیے اسے پھاٹک تک پہنچنے میں کوئی دقّت نہ ہوئی۔ پھاٹک پر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ قدم قدم پر اسے محسوس ہو

رہا تھا جیسے وہ دہشت ناک قہقہہ کہیں دُور فضا میں گونج رہا ہو۔ پھاٹک سے نکلتے ہی اس نے اپنی پوری قوّت سے دوڑنا شروع کر دیا۔ آبادی کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کا دم پھول گیا۔

کُچھ دیر بعد وہ شہر کی پُر رونق سڑک پر آ گیا۔ کلاک ٹاور نے نو بجائے۔ سردی کے مارے اُس کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور دلاور پُور کی طرف روانہ ہو گیا۔ تمام راستہ وہ سوچتا رہا کہ اس کی بیوی اسے دیکھتے ہی رونا شروع کر دے گی۔ یقیناً وہ بہت زیادہ پریشان ہو گی اور اُس لاش کا خیال آتے ہی وہ لرز اٹھا۔ کہیں پولیس نے اس کی بیوی کو پریشان نہ کیا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں حوالات میں بند کر دی گئی ہو۔۔ مگر وہ تو وہاں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لاش محض دھوکا ہو۔۔۔ تو پھر اُسے بند کر رکھنے کا کیا مقصد تھا اور وہ پُر اسرار اجنبی کہاں غائب ہو گیا۔ کیا اس آدمی کو اسی نے قتل کیا تھا۔ مگر وہ تو شمشیر بہادر کی حویلی میں دِکھائی دیا تھا۔ کیا سچ مچ بھُوت۔۔۔ اور وہ انھی خیالات میں اُلجھا ہوا اپنے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ ڈرائیور کو رکنے کے لیے کہہ کر وہ کمپاؤنڈ

میں داخل ہو گیا۔

"کون ہے۔۔۔؟" بر آمدے سے ایک گرج دار آواز سُنائی دی۔

"میں ہوں۔۔۔؟" سعید نے جواب دیا۔

"کون کسان صاحب۔" دوسرے لمحے میں ایک باوردی پولیس میں اس کے سامنے کھڑا اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"لا پتہ۔۔۔ آپ دونوں کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے۔"

"وارنٹ۔۔۔؟" سعید چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔۔۔ کیا بیگم صاحبہ آپ کے ساتھ نہیں؟" پولیس میں نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔!" سعید کا دِل بڑی شدّت سے دھڑکنے لگا۔

"آپ مہربانی کر کے میرے ساتھ چوکی تک چلئے۔"

"چلو بھئی چلو۔۔۔ خُدا کے لیے جلدی کرو۔۔۔ آخر رضیہ کہاں گئی۔" سعید نے کہا۔

ٹیکسی چوکی کی طرف جارہی تھی۔

سعید کو دیکھتے ہی ہیڈ کانسٹیبل اُچھل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیا کہے۔ سعید اتنا ہر دِلعزیز تھا کہ اس پر ایسے سنگین جرم کا الزام ہوتے ہوئے بھی پولیس والوں کے دِل میں اس کی عزّت تھی۔

"میں نے قتل نہیں کیا۔" سعید بے ساختہ بولا۔

"ہمیں اس کا یقین ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟"

"اوہ تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں تھیں؟"

"نہیں۔۔۔!" سعید نے کہا اور جلدی جلدی سارے واقعات دہرا دیے۔ ہیڈ

کانسٹیبل کے چہرے سے اس کی ذہنی اُلجھن صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سعید کی داستان کا کون سا حصّہ صحیح ہے اور کون سا غَلَط۔

سعید کی اُلجھن اور بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی شہر کی جانب جارہی تھی۔

کوتوالی کے ایک کمرے میں جگدیش فریدی اور سارجنٹ حمید بیٹھے آج کے واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ اچانک ہیڈ کانسٹیبل سعید کو لے کر اندر داخل ہوا۔

"مجھے اس کی فکر نہیں کہ میں کس جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ اس کا فیصلہ تو بعد کو ہوتا رہے گا۔" سعید نے کہا۔ "مجھے سب سے زیادہ پریشانی اپنی بیوی کی ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سعید نے کہا اور ایک بار پھر اسے پوری داستان دہرانی پڑی۔

"کیا وہ اجنبی کافی بھاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سعید جلدی سے بولا۔ "اس کی شخصیت میں یہی چیز سب سے زیادہ عجیب تھی کہ وہ موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھر کم معلوم ہو رہا تھا۔"

"عمر۔۔۔؟"

"میرے خیال سے پچاس اور ساٹھ کے درمیان۔۔۔ لیکن تندرستی بہت اچھی تھی۔"

"آنکھوں کا رنگ۔۔۔!"

"شاید بھورا تھا۔"

"خیر آگے چلئے۔"

سعید بقیہ واقعات بتانے لگا۔ فریدی بغور اس کے چہرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جگدیش کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ ایک لغو اور مَن گھڑت کہانی

سُن رہاہو۔ کبھی کبھی اس کے چہرے پر خفیف سی مُسکراہٹ نمودار ہو جاتی تھی۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

جب سعید داستان کے اس حصّے پر پہنچا جہاں کاشانۂ شمشیر کے بھُوت کا تذکرہ تھا تو بے اختیار جگدیش کو ہنسی آ گئی۔ سعید نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں بے چارگی نفرت اور غصّہ سبھی کُچھ تھا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ آپ بیان جاری رکھئے۔" فریدی نے جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

سعید نے مختصر الفاظ میں داستان کا بقیہ حصّہ بھی ختم کر دیا۔

"آپ کو یقین کامل ہے کہ وہ وہی شخص تھا جس کی لاش آپ نے اپنے کمرے میں دیکھی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس پر مجُھے اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت آپ لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں۔" سعید نے کہا۔

"تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔" جگدیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اس عمارت کے متعلّق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ آسیب زدہ ہے۔"

"میں یہ نہیں ثابت کرنا چاہتا۔" سعید نے بے صبری سے کہا۔ "میرا یقین ان لغویات پر نہیں۔ مُجھے جو حادثہ پیش آیا میں نے بیان کر دیا اور نہ مُجھے اپنے اوپر لگائے گئے الزام کی پرواہ ہے۔ اگر میں خُدا کی نظروں میں بے قصور ہوں تو کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ لیکن مُجھے اپنی بیوی کی گمشدگی کی وجہ سے پریشانی ہے۔ کہیں وہ بھی ان بدمعاشوں کے چُنگل میں نہ پھنس گئی ہو۔"

"تو آپ کا شُبہ اسی بھاری بھر کم اجنبی پر ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"حالات کُچھ ایسے پیش آئے جن کی بناء پر سوچنے پر مجبور ہوں۔" سعید نے جواب دیا۔

"ہمیں سو سو روپے کے دو نوٹ آپ کے یہاں پڑے ہوئے ملے تھے۔" فریدی نے کہا۔

”پڑے ہوئے ملے تھے۔“ سعید نے کہا۔ ”کم از کم وہ میرے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ میں بنک سے سو روپے کے نوٹ لیتا ہی نہیں اور اس دوران میں تو خاص طور پر میں نے سو کے نوٹ کسی سے لیے ہی نہیں۔ لیکن ٹھہریئے۔۔۔ کیا آپ کو ڈرائنگ روم میں وہ نوٹ ملے تھے۔“

”نہیں اسی کمرے میں صوفے کے پیچھے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔“

سعید سوچنے لگا۔

”جی نہیں۔۔۔ وہ نوٹ میرے نہیں ہو سکتے۔“سعید نے آہستہ سے کہا۔

”لیکن آپ نے ڈرائنگ روم کا حوالہ کیوں دیا۔“

”اس اجنبی نے مُجھے وہاں اپنے یہاں ایک رات بسر کرنے کے لیے نوٹوں کا ایک بنڈل دیا تھا جسے میں نے وہیں یہ کہہ کر ڈال دیا تھا کہ مُجھے اس کی ضرورت نہیں۔“

”نوٹوں کا بنڈل۔۔۔!“ فریدی چونک کر بولا۔

”جی ہاں۔“

لیکن وہاں کوئی بنڈل نہیں ملا۔“ فریدی نے کہا۔

”ممکن ہے وہ جاتے وقت اپنے ساتھ لیتا گیا ہو۔“سعید نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد سعید کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

”پھر وہی نوٹوں کا قصّہ۔۔۔“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”بنک والے کہتے ہیں کہ بفضل سب خیریت ہے اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ۔“

”تم ابھی صاحب زادے ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”اور میں انشاء اللہ ہمیشہ صاحب زادہ ہی رہوں گا۔“حمید مُسکرا کر بولا۔ ”کیونکہ غیر صاحب زادہ ہونا کچھ اچھی بات نہیں۔“

”تمہاری ڈفلی ہمیشہ الگ ہی ہوتی ہے۔“ فریدی نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

”ڈفلی کے علاوہ میں کبھی کبھی سارنگی اور ہارمونیم سے بھی شوق کر لیا کرتا

ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا فضول بکو نہیں۔"

فریدی یہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور چند لمحوں بعد وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید اور جگدیش چپکے سے اُٹھ کر باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی اور فریدی چونک پڑا۔

"ہیلو۔۔۔!" اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔ فریدی۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ کیا کہا زمرّد محل میں۔۔۔ نہیں نہیں دھوکا ہوا ہو گا۔۔۔ کیا اس نے خرید لیا تھا۔۔۔؟ مُجھے اس کی اطلاع نہیں۔۔۔ وہاں کرایہ دار بھی ہیں۔۔۔ اچھا اُن پر کڑی نظریں رکھنا۔۔۔ وحید اور کرن سنگھ کو بھی ابھی بھیجتا ہوں۔۔۔ انہیں سب کُچھ سمجھا کر تُم واپس آ جانا۔۔۔ اور کوئی بات۔۔۔؟ وحید اور کرن سے کہہ دینا کہ اگر کوئی اور بات ہو تو مُجھے گھر پر فون کر دیں۔۔۔ اچھا۔۔۔!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور کُچھ بے چین سا نظر آنے

لگا۔ تقریباً پانچ منٹ ٹھہر کر اس نے پھر فون پر کسی کو کُچھ ہدایتیں دیں اور کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

اتنے میں حمید اور جگدیش واپس آ گئے۔ فریدی بدستور ٹہلتا رہا۔

"تو تم لوگ چائے پی آئے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کے لیے بھی کہہ آیا ہوں آ ہی رہی ہو گی۔" جگدیش نے کہا۔

"جگدیش ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے سلیم کے متعلّق بھی کُچھ تحقیقات کی یا نہیں؟"

"کُچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"پتہ لگانے کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"طریقہ؟ بات دراصل یہ ہے کہ گنگولی نے بھی نہیں بتایا اور پھر اِدھر اُدھر دلاور پُور۔۔۔!"

"معلوم نہیں تمہیں کب عقل آئے گی۔۔۔ سب سے زیادہ ضروری چیز یہی

تھی۔"

"غَلَطی ہو گئی۔"

"خیر۔۔وہ زمرّد محل میں رہتا تھا۔"

"زمرّد محل میں؟"

"ہاں۔۔۔اس نے اسے حال ہی میں خریدا تھا۔"

"خریدا تھا۔۔؟" جگدیش پھر متعجّبانہ انداز میں بولا۔

"اس میں تعجّب کی کیا بات ہے؟"

"کیا وہ واقعی بہت مال دار آدمی تھا۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ اور پرلے سِرے کا کنجوس۔۔۔ اور اس کے ساتھ اس کی ایک بیوہ بہن بھی رہتی تھی۔"

"بال بچّے۔۔۔؟"

”کوئی نہیں۔۔۔اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔“

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگدیش نے ریسیور اُٹھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔ ”آپ کا ہے۔“

”ہیلو۔۔۔ ہاں۔۔۔ ابھی وحید وغیرہ نہیں پہنچے۔۔۔ اچھا۔۔۔ اور کوئی خبر۔۔ ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔!“

کوئی لمبی داستان تھی جسے فریدی بڑی توجّہ کے ساتھ سُن رہا تھا۔ بار بار اس کے چہرے پر تعجّب کا اظہار ہونے لگتا تھا۔ آخر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

”دیکھو جگدیش۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”یہ سب کُچھ دراصل تمہیں کرنا چاہئے تھا۔“

”میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں خواہ مخواہ اس محکمے میں پھنس گیا۔۔۔ مُجھے تو کسی فلم کمپنی میں ہونا چاہیے تھا۔“

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔!“ فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ”ابھی ابھی سلیم کے متعلّق کُچھ

اور بھی دِلچسپ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس کی کنجوسی کے متعلّق پہلے ہی بتا چکا تھا۔ محض کرایہ وصول کرنے کے لیے اس نے زمرّد محل جیسی شاندار عمارت کا ستیاناس کر دیا۔ جتنے حصّوں میں اسے بانٹ سکتا تھا بانٹ کر انہیں کرائے پر اُٹھائے ہوئے تھا۔ خیر یہ تو معمولی بات ہے، حد ہو گئی کنجوسی کی کہ اس کی بہن اس کے گھر میں رہتے ہوئے کرایہ داروں کے لیے کھانا پکا کر بسر اوقات کرتی تھی اور وہ کرایہ دار ایسے ہیں جن کے ساتھ ان کی بیویاں نہیں ہیں وہ اُسی سے کھانا پکواتے ہیں۔"

"تو میرے خیال سے مُجھے اسی وقت زمرّد محل میں جانا چاہیے۔" جگدیش نے کہا۔

"یقیناً۔۔۔!" فریدی بولا۔" اس وقت سارے کرایہ دار بھی موجود ہوں گے۔ ان سے سلیم کے کُچھ اور حالات بھی معلوم ہوں گے۔"

فریدی میدانِ عمل میں

فریدی اور حمید دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

”ہیلو۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں ہوں فریدی۔۔۔ کیوں بھئی کیا معاملہ ہے۔۔۔ کیا کون غائب ہو گیا۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ گنگولی۔۔۔؟ کب۔۔۔ دیکھو۔۔۔ جگدیش معاملہ کافی بگڑتا جا رہا ہے۔۔۔ اور تُم کوئی خاص دھیان نہیں دے رہے ہو۔ زمرّد محل کی انکوائری کا کیا رہا۔۔۔ کُچھ نہیں۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ تب تو خُدا ہی مالک ہے۔۔۔ میں ابھی فی الحال کُچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ بہر حال اب تو میں نے

اس معاملہ کو ہاتھ میں لے ہی لیا ہے۔۔۔ اچھا بھئی۔۔۔ کھانا کھا رہا ہوں۔۔۔!"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"سُنا حمید۔۔۔!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"خُدا نے چاہا تو دو چار گھنٹے بعد اس کی لاش بھی کہیں نہ کہیں دستیاب ہو جائے گی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"جہاں آپ نے کسی کیس میں ہاتھ لگایا۔۔۔ لاشوں میں برکت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔"

"کیا فضول بک رہے ہو۔"

"خیر نہ گھوڑا دور، نہ میدان۔"

"فضول وقت نہ ضائع کرو۔ میں عجائب خانے جا رہا ہوں اور تمہارا اس وقت زمرّد

محل پہنچنا بہت ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کسی قسم کا شُبہ نہ ہونے پائے۔"

"ذرااور وضاحت کے ساتھ کہئے۔" حمید نے کہا۔

"مطلب یہ کہ وہاں سارجنٹ حمید ہی کی حیثیت سے جانا۔۔۔ زیادہ ہوشیاری کی ضرورت نہیں۔ مُجھے وہاں کے کُچھ کرایہ داروں پر شُبہ ہے۔"

حمید کو کُچھ اور ہدایتیں دے کر فریدی عجائب خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ عجائب خانے کا منتظم فریدی کی آمد پر کُچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

"میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"یہاں کوئی آدمی سلیم نامی ملازم تھا۔۔۔؟"

"سلیم۔۔۔!" منتظم نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "سلیم۔۔۔! وہ ناولسٹ تو نہیں؟"

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "کیا اس نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ناوّلسٹ ہے؟"

"جی ہاں۔۔۔ کُچھ عجیب ہی شخصیت کا آدمی تھا۔"

"یہاں اس کے سپرد کیا کام تھا۔۔۔؟"

"شُعبہ کاغذات کی دیکھ بھال۔۔۔!"

"شُعبہ کاغذات سے آپ کی کیا مُراد ہے؟"

"ہمارے یہاں ایک سیکشن کاغذات کے نمونوں کا بھی ہے جہاں زمانہ قدیم سے لے کر اب تک کے کاغذات کے نمونے موجود ہیں۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

اچانک ایک چاقو بڑی تیزی سے اس کے کاندھے کو مس کرتا ہوا اس کی پشت کی طرف ایک الماری کے شیشے سے جا ٹکرایا۔ فریدی اچھل کر اس کھڑکی کی طرف

دوڑا جدھر سے چاقو آیا تھا۔ باہر راہداری بالکل سنسان پڑی تھی اور اسے کوئی متنفّس نظر نہ آیا۔۔۔اس نے واپس آکر چاقو دیکھا۔

منتظم کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

"مُجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہاں موجودگی کے دوران یہ حادثہ پیش آیا۔" منتظم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کیجیئے۔" فریدی نے کہا اور چاقو کو رومال میں لپیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

گھر پر حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہو بھئی ہو آئے۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں کئی کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔"

"خیر وہ پھر سُنوں گا۔" فریدی نے الماری کھول کر اس میں سے ایک چاقو نکالا اور

محدّب شیشے کے ذریعے اس کے دستے کو غور سے دیکھنے لگا۔

"کیوں حمید۔۔۔ کیا یہ دونوں چاقو ایک ہی طرح کے نہیں ہیں۔"

"ہیں تو۔۔۔؟"

"ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سعید منزل والی لاش سے نکالا گیا تھا اور دوسرا وہ جس سے آج مُجھ پر حملہ کیا گیا۔"

"آپ پر۔۔۔؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!" فریدی نے کہا اور اپنی عجائب خانے کی تفتیش کے متعلّق بتانے لگا۔

"تو یہ کہئے آپ نے بنک اور سعید منزل کو ایک رشتہ میں منسلک کر ہی دیا۔" حمید نے کہا۔

"اب ہمیں جیل میں چل کر سعید سے ملنا چاہیے۔" فریدی نے کہا۔

دونوں کار میں بیٹھ کر جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"کیا رہا تمہاری تفتیش کا۔۔۔؟" فریدی نے راستے میں پوچھا۔

"سلیم کی بیوہ بہن سے ملاقات ہوئی۔ عمر تقریباً اٹھائیس سال رنگ گورا، آنکھیں خصوصیت سے قابلِ ذکر۔۔۔ ہنستے وقت گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ پیروں کی بناوٹ کُچھ اس قسم کی ہے کہ دِل میں بے اختیار گُدگُدی ہونے لگتی ہے۔ چال میں خفیف سی لچک ہے۔ آج سفید سِلک کا غرارہ پہنے ہوئے تھی۔۔۔ بس آپ سے کیا عرض کروں۔"

"کیا میں نے تمہیں وہاں اسی لیے بھیجا تھا۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پھر۔۔۔؟"

حمید نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"بکو مت۔۔۔؟" فریدی نے کہا۔ "ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔"

"خیر سنئے۔۔۔!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "عورت مُشتبہ ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوا ہے کہ اُس پر اُس کے بھائی کی موت کا کوئی اثر نہیں۔ اس کا تذکرہ

آنے پر وہ دو چار ٹھنڈی سانسیں ضرور بھرتی ہے لیکن بناوٹ کا چھُپنا محال ہے۔"

"خیر یہ بالکل قدرتی امر ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھائی کے ہوتے ہوئے بھی اسے خود محنت کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑتا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ اپنے بھائی کی دولت کی تنہا وارث ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ مغموم نہیں دِکھائی دیتی تو کوئی تعجّب کی بات نہیں۔"

"خیر دوسری بات سُنئے۔" حمید نے کہا۔ "وہاں مُجھے ایک ایسا صندوق نظر آیا جس پر رنگون کی ایک جہاز ران کمپنی کی سلپ چپکی ہوئی تھی۔"

"رنگون۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔ "یہ بات تم نے کام کی بتائی۔"

"تیسری بات ملاحظہ ہو۔" حمید فخریہ انداز میں مُسکرا کر بولا۔ "مُجھے صرف ایک کرایہ دار مُشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ صُبح چار بجے گھر سے چلا جاتا ہے اور بارہ بجے رات کو واپس آتا ہے۔"

"مُجھے اس کی اِطلاع ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر۔۔۔ اس سے متعلّق کیا معلوم

کیا۔۔۔؟“

”یہاں سے کلکتے مچھلیاں بیچتا ہے۔۔۔ دلاور پُور میں اس نے کئی گھاٹ لے رکھے ہیں، جہاں اس کے آدمی مچھلیاں پکڑتے ہیں اور وہ بھی غالباً دِن بھر وہیں رہتا ہے اور اس کا نام ہے سجّاد شاہ، جہان پُور کا رہنے والا ہے۔ اس کے پاس ایک کار بھی ہے۔ اس کے آنے اور جانے کے اوقات ایسے ہیں کہ سلیم کی بہن نے بھی آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔ دوسرے کرایہ داروں سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کی صورت سے آشنا نہیں ہیں۔“

”یہ بھی مُجھے معلوم ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”جب آپ کو یہ معلوم ہی تھا تو آخر مُجھے دوڑانے کی کیا ضرورت تھی۔“ حمید نے جھلّا کر کہا۔

”نہیں تم ایک کام کی بات معلوم کر کے آئے ہو، جس کی اطلاع مُجھے نہ تھی۔“ فریدی نے کہا۔

حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"صندوق والی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ کُچھ سوچ رہا تھا۔

"آخر صندوق والی بات آپ کو کیوں کام کی معلوم ہوئی۔" حمید نے پوچھا۔

"اِس لیے کہ تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ صفدر مرزا رنگون سے آیا تھا۔"

"تو شاید آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی سلیم ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

پھر دونوں خیالات میں ڈوب گئے اور بقیہ راستہ خاموشی سے گزر گیا۔

سعید بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے اپنی بیوی کے متعلّق پوچھا۔

”گھبر ایئے نہیں۔۔۔وہ بہت جلد مل جائیں گی۔“ فریدی نے کہا۔

”مُجھے اپنی کوئی پرواہ نہیں۔“سعید نے کہا۔

”میں سمجھتا ہوں۔۔۔“ فریدی نے کہا۔”میں ایک بات آپ سے پوچھنے کے لیے آیاہوں۔“

”فرمایئے۔“

”آپ سلیم کو جانتے ہیں؟“

”کون سلیم۔۔۔؟“

”وہی جس سے ملنے کے لیے اکثر آپ عجائب خانے جایا کرتے تھے۔“

”اوہ۔۔۔ہاں۔۔۔میں اسے جانتا ہوں۔“

”اس سے جان پہچان کی نوعیت کیا تھی؟“

میرے خیال سے تو اسے محض کاروباری ہی سمجھنا چاہیے۔“سعید نے کہا۔

”کیا وہ اس کاروبار کو کرنا چاہتا تھا۔۔۔؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔وہ دراصل ایک ناول نویس تھا۔ شاید اپنے کسی ناول میں کاغذ اور کاغذ کے کارخانوں کے متعلّق کُچھ لکھنا چاہتا تھا۔“

”اوہ۔۔۔!“ فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ کبھی دلاور پُور بھی جاتا تھا۔“

”اکثر۔۔۔!“

”آپ ہی سے ملنے یا کسی اور کے پاس۔“

”کسی دوسرے کے متعلّق میں کُچھ نہیں بتا سکتا۔“

فریدی پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”اچھا تو خاص طور پر کس قسم کے کاغذ کے متعلّق جاننا چاہتا تھا۔“ فریدی نے اچانک پوچھا۔

”جہاں تک مُجھے یاد پڑتا ہے نوٹ بنانے والے کاغذ پر زیادہ وقت صرف کرتا

تھا۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی نے کہا اور دفعتاً اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔

حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی چمک اس کی آنکھوں میں جن موقعوں پر پیدا ہوتی ہے۔

"اچھا۔۔۔!" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے۔۔۔ میں ایک بار پھر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ میری بیوی کا خیال رکھئے گا۔" سعید بولا۔

"آپ مطمئن رہیے۔"

فریدی اور حمید جیلر کے دفتر میں آئے۔ راستے بھر فریدی قطعی خاموش رہا۔ دفتر میں آکر فریدی نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔ جگدیش صاحب ہیں۔۔۔ ذرا فون پر بلا دیجئے۔۔۔ ہیلو جگدیش۔۔۔ میں فریدی بول رہا ہوں۔۔۔ ہاں دیکھو بھئی۔۔۔ مُجھے شُبہ ہے کہ نیشنل بنک میں کُچھ نہ کُچھ ہوا ضرور ہے۔۔۔ آخر تم ہنس کیوں رہے ہو۔۔۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہاں کے نوٹ ہٹا کر ان کی جگہ پر انہی نمبروں کے جعلی نوٹ رکھ دیئے گئے ہوں۔۔۔ تُم بنک ضرور جاؤ۔۔۔ اور اپنے ساتھ ایک ایکسپرٹ کو بھی لیتے جانا۔۔۔ اچھا فرض کرو اگر یہ نہ بھی ہوا تو تمہارا اس میں نقصان ہی کیا ہو گا۔۔۔ تم محض شبہے کی بناء پر سرکاری طور پر ایسا کر سکتے ہو۔۔۔ گنگولی کا یک بیک غائب ہو جانا مُجھے اور زیادہ شُبے میں ڈال رہا ہے۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں تھوڑی دیر کو توالی پہنچ جاؤں گا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک کُچھ سوچتا رہا اور پھر حمید کو سر کے اشارے سے باہر چلنے کے لیے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔" چنانچہ چند ہی سیکنڈ کے توقّف کے بعد حمید بھی باہر آ گیا۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے کوتوالی پہنچ گئے۔

راستہ بھر فریدی نے سارجنٹ حمید سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا ہو اور اس کا ذہن تازہ ترین انکشافات کی کڑیاں گذشتہ واقعات سے ملانے میں مصروف ہو۔

حمید نے کئی بار اسے مخاطب کیا لیکن فریدی "ہوں ہوں" میں ٹالتا رہا۔ کوتوالی کے دفتر میں پہنچ کر فریدی نے اپنے مخصوص انداز میں حمید کو مخاطب کیا۔

"کیا تم تازہ انکشاف کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکے ہو۔ حالات اگرچہ بظاہر بہت پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک سمجھ دار جاسوس کے لیے ان حالات کی کڑیاں ملانا کوئی مشکل امر نہیں۔۔۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" فریدی نے سِگار سُلگایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ حمید بولا۔ "آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے بنک اور سعید منزل کے باہمی پُراسرار تعلّق کا راز سمجھ لیا ہے اور آپ مجرم کو کسی وقت بھی گرفتار کرسکتے ہیں۔"

”"ہاں۔۔۔ اور میرا خیال ہے کہ گنگولی اور سلیم کی سازشی اسکیم پُراسرار ہوتے ہوئے بھی اب اتنی پُراسرار نہیں رہی۔۔۔ جعلی نوٹوں کے بارے میں میرا شک اب یقین کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یقیناً بنک میں سلیم کی ملازمت کی اصل وجہ جعلی نوٹ ہی ہو سکتی ہے۔“

حمید فریدی کی اس بات پر چونکتے ہوئے بولا۔ ”لیکن میرا خیال ہے اور جیسا کہ سعید کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے سعید اس سازش میں برابر کا شریک اور مجرم ہے۔“

”تم رہے احمق کے احمق۔“ فریدی نے کہا۔

لیکن حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

”اگر تمہارا مطلب یہ ہو کہ سعید بھی اس سازش میں شریک تھا تو یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ نوٹ کے کاغذ کا تذکرہ خصوصیت سے نہ کرتا۔“

”لیکن یہ دونوں نوٹ اسی کے گھر میں ملے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”ایسی حالت میں تو اسے اور زیادہ محتاط رہنا چاہیے تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیونکہ ان نوٹوں کا تذکرہ میں پہلے ہی کر چکا تھا۔“

”بہر حال یہ ایک اچھا خاصہ معمّہ ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جگدیش اور ایکسپرٹ بھی کوتوالی پہنچ گئے۔

”آپ نے جو دو نمبر بولے تھے ان کا مطلب میں نہیں سمُجھا۔“ جگدیش نے کہا۔

”یہ ان دونوں نوٹوں کے نمبر تھے، جو ہم نے سعید منزل میں پائے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”ارے۔۔۔!“ جگدیش چونک پڑا۔

فریدی نے دونوں نوٹ ایکسپرٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

ایکسپرٹ کافی دیر تک نوٹوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے سر اٹھا کر حیرت

آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے آج تک اتنی شاندار نقل نہیں دیکھی۔" وہ بولا۔ "لیکن بنانے والا واٹر مارک میں دھوکا کھا گیا۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"لیکن اصل و نقل کا سمجھ لینا کسی عام آدمی کا کام نہیں۔" ایکسپرٹ نے کہا۔ "واٹر مارک صاف پانی کا نہیں ہے۔۔۔ اس میں قدرے میلا پن آ گیا ہے۔۔۔ یہ پانی۔۔۔ یہ پانی۔"

"دریائے گھاگھرا کا ہو سکتا ہے۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"ٹھیک۔۔۔ بالکل ٹھیک۔" ایکسپرٹ نے اُچھل کر کہا۔

"میں یہ دونوں نوٹ اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔" ایکسپرٹ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کی باقاعدہ رپورٹ آپ کو دوں گا۔"

ایکسپرٹ کے جانے کے بعد فریدی بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ حمید۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ مُجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ لیکن شاید کامیابی ہو ہی جائے، حالانکہ اب اس کی اُمّید بہت کم رہ گئی ہے۔"

حمید نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چلو دیر نہ کرو۔" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا میں بھی چلوں۔" جگدیش نے کہا۔

"نہیں کوئی ایسی خاص ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تم گنگولی کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"اس کے غائب ہو جانے سے بنک میں سنسنی پھیل گئی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

""قدرتی بات ہے۔" فریدی بولا۔

فریدی کی کار تیزی کے ساتھ دلاور پُور والی سڑک پر جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد

اس نے اچانک گاڑی روک دی۔ حمید اس غیر متوقع جھٹکے کے لیے تیّار نہ تھا۔ اس کا سر ٹکرا گیا۔

"کیوں جناب۔۔۔ کیا میری جان فالتو ہے۔" حمید کار سے اُتر کر جھلّائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تو بھئی۔۔۔ پھر میرا مذاق تو کُچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں دلاور پُور میں پَن چکّی کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر دھکّا دیا، دروازہ کھُل گیا اندر کوئی نہیں تھا۔ حمید ابھی تک باہر ہی کھڑا تھا۔ فریدی کے اشارے پر وہ بھی بادل نخواستہ اندر چلا آیا۔

"وہ جھکی غائب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہوں۔۔۔!"

"عجیب آدمی ہو تم بھی۔۔۔ یہ بھی کوئی بگڑنے روٹھنے کا وقت ہے۔"

”تو میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ حمید نے اُکتا کر کہا۔

”جھکی غائب ہو گیا ہے۔ اب ہم شاید ہی اُسے پا سکیں۔“ فریدی بولا۔

”کہیں چلا گیا ہو گا۔۔۔ غائب کیوں ہونے لگا۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے دریا کی طرف والی کھڑکی کھول دی۔

”دریا کبھی اس عمارت کی دیوار سے ٹکراتا ہوا بہتا رہا ہو گا۔“ فریدی بولا۔

”اور شاید یہاں سے پانی ہٹ جانے ہی کی وجہ سے چکّی بند ہو گئی۔“

”بہت ممکن ہے کہ چکّی رُک جانے کی وجہ سے ہی پانی ہٹ گیا ہو۔“ حمید مُسکرا کر بولا۔ ”خیر شکر ہے کہ تم میں زندگی تو پیدا ہوئی۔“ فریدی نے کہا۔

وہ اس خبطی کے صندوق کی تلاشی لینے لگا لیکن کوئی قابلِ گرفت چیز نہ ملی۔

”آخر آپ یہاں آئے کیوں ہیں؟“

”جعلی نوٹ بنانے کے اوزاروں کی تلاش میں۔“

"یہاں۔۔۔!" حمید حیرت سے بولا۔

"ہاں۔۔۔ نہایت پُر سکون جگہ ہے۔ سلیم جیسا سازشی، ایک ماہر فن مصوّر اور انگریور۔۔۔ سعید جیسا تربیت یافتہ کاغذ بنانے والا۔۔۔ پھر اور کیا چاہیے۔"

"تو آپ نے سعید کے متعلّق اپنی رائے بدل دی؟" حمید نے کہا۔

"ایسا تو نہیں۔۔۔ اس کے متعلّق میں نے شروع میں جو رائے قائم کی تھی اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔"

"اپنی باتیں آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔"

"یہ کوئی ایسا اُلجھا ہوا معاملہ نہیں، فرض کرو میں کاغذ بنانا جانتا ہوں، تم مُجھ سے یوں ہی دوستی کر بیٹھتے ہو، تمہارے ماتھے پر تو یہ لکھا نہیں کہ تم نے مُجھ سے دوستی کیوں کی ہے۔ کُچھ دِنوں کے بعد تم باتوں ہی باتوں میں مُجھ سے کاغذ بنانے کا طریقہ پوچھ لیتے ہو اور میری معلومات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لیے نوٹ کا کاغذ بنا کر یا باقاعدہ جعلی نوٹ چھاپنے شروع کر دیتے ہو، بھلا مُجھے کیا خبر ہو سکتی

ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"لیکن جعلی نوٹ صرف سعید ہی کے یہاں کیوں ملے۔ سلیم کے گھر کا بھی تو کونا کونا چھان ڈالا گیا ہے اور یہاں اس مصوّر کے سامان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی جو قابلِ گرفت ہو۔" فریدی کُچھ سوچنے لگا۔

"اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ کا خیال صحیح مان بھی لیا جائے تو خود سعید کا بیان ہی اسے مُشتبہ بنا دیتا ہے۔"

"کون سا بیان۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بھُوت والا۔۔۔ بھلا کسے یقین آئے گا۔"

"بہت ممکن ہے کہ اس نے پہچاننے میں غَلَطی کی ہو۔ وہ کوئی اور آدمی رہا ہو۔ بہر حال مُجھے اس پر یقین ہے کہ وہ کسی گہری سازش کا شکار ہو گیا ہے۔"

"اگر آپ اس بناء پر اس کی معصومیت پر ایمان لائے ہیں کہ اس نے سلیم سے اپنے تعلقات کا اعتراف کر لیا تو آپ غَلَطی کر رہے ہیں۔ یہ بھی اس کی ایک چال

ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سلیم بے گناہ تھا۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ وہ جعلی نوٹ بناتا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مُجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ سعید سلیم کا بھی قاتل ہے۔"

"بھلا وہ کیسے۔۔۔؟" فریدی نے مُسکرا کر پوچھا۔

"حصّہ بانٹ میں جھگڑا ہو گیا ہو گا۔"

"تو اُسے بنک کی چھت پر قتل کرنے کا کیا مقصد تھا اور پھر اس نے ایک اور دوسرے آدمی کو اپنے گھر میں قتل کرکے یہ آفت کیوں مول لی۔"

"اونہہ ہو گا۔۔۔ماریئے گولی۔۔۔ آپ نے خواہ مخواہ یہ بلا اپنے گلے لگا لی۔" حمید اُکتا کر بولا۔

"میں۔۔۔!" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "حمید صاحب بہت دِنوں کے بعد اس قسم کی دلچسپ بلا نصیب ہوئی ہے۔" حمید ایک اسٹول پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی پھر کھڑکی کے قریب آگیا۔ اس کی نگاہیں کُچھ دوری پر بہتے ہوئے دریا کی لہروں پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"حمید ذرا یہاں تو آنا۔"

"کہئے۔۔۔!" حمید بے دِلی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔

"اِدھر آؤ۔۔۔!" یہ نیچے دیکھو، کیا تم نے اس قسم کی جھاڑیاں اس علاقے میں کہیں اور بھی دیکھی ہیں؟" فریدی نے دیوار کی جڑ میں اُگی ہوئی گھنی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

یہ جھاڑیاں اتنی اونچی تھیں کہ انہوں نے تقریباً آدھی دیوار کو ڈھک رکھا تھا۔

"اس علاقے کے متعلّق میری معلومات محدود ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن میں یہاں کے چپّے چپّے سے اچھی طرح واقف ہوں۔" فریدی بولا۔ "میں نے یہاں اس قسم کی جھاڑیاں کہیں اور نہیں دیکھیں۔"

”نہ دیکھی ہوں گی۔“حمید لاپروائی سے بولا۔”آخر آپ انہیں اتنی اہمیّت کیوں دے رہے ہیں۔“

”اس لیے کہ یہ دیدہ دانستہ لگائی گئی ہیں۔“

”لگائی گئی ہوں گی۔ پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“

”یہاں اِن کے لگانے کا مقصد۔۔۔!“فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

”دیوار کو پانی کے ٹکراؤ سے محفوظ رکھنے کے لیے۔“

”بہت خوب۔۔۔ اس وقت تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔”لیکن، پھر پن چکّی کی چرخی کہاں لگائی گئی ہو گی۔“

”لگائی گئی ہو گی کہیں۔“حمید اُکتا کر بولا۔”آخر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔“

”آؤ میرے ساتھ۔۔۔ ابھی بتاتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے آیا۔

دونوں گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچے۔

"اوہ یہی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "بلکہ یہاں ببول کی کانٹے دار ٹہنیاں بھی رکھی ہوئی ہیں اور کُچھ ہٹائی بھی گئی ہیں۔ ذرا آہستہ آہستہ انہیں جھاڑیوں سے الگ تو کرو۔"

دونوں ببول کی ٹہنیوں کو کھینچ کر جھاڑیوں سے الگ کرنے لگے۔

حمید ضرورت سے زیادہ بیزار نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مخبوط الحواس کے چکّر میں پھنس کر ڈر رہا ہو۔

دونوں جھاڑیاں ہٹا رہے تھے کہ دفعتاً حمید "ارے" کہہ کر اُچھل پڑا۔ دیوار کی جڑ میں جھاڑیوں کی باڑھ کے پیچھے ایک چھوٹی سی کھڑکی نظر آئی ایسی کھڑکی جس سے آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گُزر سکتا ہے۔ فریدی نے کواڑوں کو دھکا دیا۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ اندر سے سیلن اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بدبُو آرہی تھی۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر اندھیرے میں روشنی ڈالی اور دوسرے لمحے میں وہ

اس تہہ خانے کے اندر تھا۔ حمید نے بھی آنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

کُچھ دیر بعد وہ پھر کھڑکی میں آیا۔ ”اب آجاؤ۔۔۔!“ اُس نے کہا۔

حمید کھڑکی سے گزر کر ایسی جگہ آیا جہاں زینے تھے اور کافی گہرائی تک ان کا سلسلہ چلا گیا تھا۔

”اب یہاں کُچھ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ سب کُچھ لے گئے۔“

”یعنی۔۔۔؟“

”کسی قسم کی مشین۔“

”مشین۔۔۔ وہ کیسے معلوم ہوا۔“

”ان گڑھوں کی طرف دیکھو۔“ فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہاں کسی مشین کے چار پائے نصب تھے۔“

"کسی اور چیز کے بھی چار پائے ہو سکتے ہیں۔ مشین ہی کیوں۔"

"ایسا سوچنے پر مجبور ہو جانا پڑا ہے۔" فریدی نے جھک کر زمین پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو تیل کے دھبّے۔۔۔ گاڑھے اور سیاہ تیل کے دھبّے۔ غالباً یہ تیل مشین میں استعمال کیا جاتا رہا ہو گا۔"

"اوہ۔۔۔!" حمید بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب کہ یہاں ان لوگوں کا نوٹ چھاپنے کا پریس تھا۔"

"تم صحیح سمُجھے۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ چلیں۔۔۔ وہ ہم سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوئے۔ عجائب خانے میں مُجھے قتل کر دینے میں ناکام رہنے کے بعد غالباً انہوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا ہے کہ مشین یہاں سے ہٹا دی۔"

وہ دونوں باہر آ گئے۔

"چلو بنک کا معاملہ تو صاف ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا۔۔۔؟"

”سلیم وہاں ملازم تھا اور اس نے اپنی اصلی حیثیت ظاہر کر دی تھی اس لیے سب کو اس پر اعتماد تھا۔ اُس نے اِس اعتماد سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے نوٹوں کے نمبر حاصل کئے اور انہی نمبروں کے جعلی نوٹ بنائے۔ اُس کا ثبوت ان دونوں نوٹوں سے ملتا ہے جو مُجھے سعید منزل میں ملے تھے۔ پھر غالباً اس نے یہ پروگرام بنایا کہ بنک کے اصلی نوٹ نکال کر ان کی جگہ نقلی نوٹ رکھ دیے تھے، کتنی شاندار سازش تھی۔۔۔ ذرا سوچو تو کہ ایک بنک کے ذریعہ جعلی نوٹ تقسیم ہوتے، بہرحال کوئی حادثہ پیش آ جانے کی وجہ سے سلیم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔“

”مگر۔۔۔ مگر بنک میں گڑبڑ کی اطلاع تو آپ کو سلیم ہی نے دی تھی۔“

”مُجھے اس میں شُبہ ہے کیونکہ چھت پر میں نے جو خُون کے دھبّے دیکھے تھے وہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ قبل کے معلوم ہوتے تھے اور سلیم کا پیغام وہاں پہنچنے سے بیس منٹ پہلے موصول ہوا تھا۔“

"بہر حال بہت زیادہ اُلجھے ہوئے حالات ہیں۔" حمید بولا۔ "بنک کا معاملہ صاف ہو جانے پر بھی سلیم اور صفدر مرزا کے قتل باقی رہ جاتے ہیں۔ سعید کو آپ بے گناہوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ ممکن ہے کہ سعید نے دیدہ دانستہ ایسے حالات پیدا کئے ہوں جن سے اس کی بے گناہی ثابت ہو۔"

"لیکن یہ بھی تو سوچو۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "جو شخص اتنا ذہین ہو سکتا ہے کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اتنا اچھا پلان بنا سکے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہو سکتا کہ صفدر مرزا کی لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کے بجائے اتنی دردسری مول لے۔ اگر وہ اسے دریا میں پھینک دیتا تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔"

"اپنا تو دماغ خراب ہو جاتا ہے اس معاملہ میں غور کرتے وقت۔" حمید نے کہا۔ "آیئے۔۔۔ چلیں۔۔۔ میں تو آج رات کو تھوڑی سی تفریح کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

فریدی اور حمید کوتوالی لوٹ آئے۔ اس انکشاف سے سنسنی پھیل گئی اور جگدیش کو بھی یقین کامل ہو گیا تھا کہ اس سازش میں سعید کا ہاتھ ضرور ہے اس کے گھر میں جعلی نوٹوں کا پایا جانا اس کے حق میں خطرناک ثابت ہوا تھا۔ بہر حال ان سب میں ایک آدمی ضرور ایسا تھا جسے اب تک اس کی بے گناہی کا یقین تھا۔ یہ فریدی تھا اس نے شروع میں جو نظریہ قائم کیا تھا اسی پر آج بھی اڑا ہوا تھا۔ اس وقت حمید اور جگدیش ایک طرف ہو کر اس سے سعید کے خلاف بحث کر رہے تھے۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگدیش نے ریسیور اُٹھا لیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔ ”آپ کے گھر سے کوئی بول رہا ہے۔“

"ہیلو۔۔۔ ہاں۔۔۔ اچھا۔۔۔ تار آیا ہے۔۔۔ اچھا احتیاط سے رکھو۔ میں ابھی آیا۔“ فریدی نے ریسیور رکھ کر اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی۔

”بھئی میں چلا۔ حمید تم مُجھے سات بجے آرلکچنو میں ملنا۔ رات کا کھانا وہیں کھائیں گے۔“ فریدی نے کہا اور کوتوالی سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پر ایک لمبا چوڑا تار اس کا مُنتظر تھا۔ فریدی نے تار لے کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ

پڑھنے میں اس قدر منہمک تھا جیسے اس نے تار کے علاوہ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کو بھلا دیا ہو۔ کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتے وقت اس نے ایک لمبا سانس لیا اور اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس کے ماتھے کی رگیں اُبھری ہوئی تھیں، غالباً کوئی خاص اُلجھن تھی۔ وہ ٹہلتا رہا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بُجھ چکا تھا جسے وہ بار بار بے خیالی میں ہونٹوں سے لگا لیتا تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی پھیلی جا رہی تھی۔ وہ ابھی تک بدستور ٹہل رہا تھا۔ کلاک نے چھ بجائے اور وہ چونک پڑا۔ کمرہ بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ کے قریب جا کر بجلی جلا دی۔

میز کی دراز سے دو پستول نکال کر فریدی نے جیب میں رکھے۔ چسٹر کاندھے پر ڈالا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

بھُوت اور فریدی

فریدی کی کار تیزی سے شہر کے غیر آباد حصّے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاموشی سے اکتا کر حمید نے پوچھا۔

"کُچھ بتائیے گا بھی یا یوُنہی کہیں لے جا کر جھونک دینے کا ارادہ ہے۔"

"آج ایک بھُوت کو دو بھُوتوں سے نپٹنا پڑے گا۔"

آہستہ آہستہ فریدی کار کی رفتار کم کرتا جا رہا تھا۔ شہر کا یہ حصّہ قریب قریب بالکل ویران اور تاریک تھا۔ کار سڑک سے ہٹ کر کچّی زمین کے نشیب و فراز

میں ہچکولے لیتی چلی جارہی تھی۔

کُچھ دور پر سامنے ایک بڑی سی عمارت دِکھائی دی۔ جس کی چہار دیواری کافی رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے کار کھڑی کر دی اور حمید کو اُترنے کا اشارہ کر کے خود بھی نیچے اُتر گیا۔ دونوں قد آدم چہار دیواری کے نیچے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ چہار دیواری کے موڑ پر سلاخ دار پھاٹک تھا جس میں ایک بڑا سا تالا لٹک رہا تھا۔

فریدی نے تالے کو ٹٹولا اور چند لمحوں تک کھڑا سوچتا رہا۔ پھر زمین پر بیٹھ کر ایک فٹ اُٹھے ہوئے پھاٹک کے درمیانی خلاء کا اندازہ کرنے کے بعد سینے کے بل رینگتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر چاروں طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ستاروں کی دُھندلی سی روشنی میں کاشانۂ شمشیر کی طویل و عریض عمارت کُچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

''کیا بات ہے؟'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"سس۔۔۔ سس۔۔۔ سردی۔۔۔!"

"ٹھہرو۔۔۔ اِدھر سے آؤ۔" وہ مہندی کی باڑھ جو صدر دروازے کے قریب جا کر ختم ہوگئی تھی دونوں اس کی اوٹ میں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔

دوسرے لمحے میں فریدی کی ٹارچ کی روشنی صدر دروازے کے اندر پڑ رہی تھی۔ فریدی کو صدر دروازے کے غیر مقفّل ہونے پر قطعی حیرت نہ ہوئی۔ البتّہ حمید ضرور چوکنا ہوگیا۔ اس نے اپنے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں دیوار کا سہارا لیے اندھیرے میں بڑھ رہے تھے۔ مختلف کمروں اور برآمدوں کا چکر لگاتے ہوئے وہ ایک زینے کے قریب پہنچے۔ دفعتاً اوپر کے کمروں میں سے ایک میں روشنی دکھائی دی اور پھر فوراً ہی اندھیرا ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اندھیرے میں سگریٹ سلگا کر دیا سلائی بجھا دی ہو۔

"ہوشیار۔۔۔!" فریدی نے حمید کے کان میں کہا اور دونوں کے پستول ان کی

جیبوں سے نکل آئے۔

اچانک زینے پر قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ فریدی اور حمید ایک طرف کونے میں دُبک گئے۔ کوئی ہلکے سُروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اپنے پستول کا دستہ دیوار پر مارا۔ کھٹاکی آواز خالی عمارت میں گونج اٹھی اور اُترنے والا ایک بیک رُک گیا۔ سیٹی کی آواز بند ہو گئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رُک کر اس آواز کے متعلّق سوچ رہا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد زینے پر پھر قدموں کی آواز معلوم ہوئی۔ فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر دوبارہ ریوالور کا دستہ دیوار پر مارا۔ اُترنے والا پھر رک گیا۔۔۔ ایک طویل خاموشی۔۔۔ فریدی حمید کے دِل کی دھڑکن صاف سُن رہا تھا۔

دو تین زینے طے کرنے کے بعد ایک تاریک سایہ نیچے آ گیا۔ چند لمحے کھڑا اوہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، لیکن جیسے ہی اس نے آگے بڑھنا چاہا فریدی نے پھر وہی حرکت کی۔ آنے والے نے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے سگریٹ کو فرش پرِ گرا کر پیر سے مسل دیا۔

"صفدر مرزا۔۔۔!" دفعتاً فریدی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔

تاریک سایہ اچھل پڑا۔

"صفدر مرزا۔۔۔!" فریدی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

سائے نے مُڑ کر آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

"تم کون ہو بھائی۔۔۔!" سایہ نرم لہجے میں آہستہ سے بولا۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہارا بھائی انور مرزا تُم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہے۔" فریدی نے اسی انداز میں جواب دیا اور اس کی سرگوشی اندھیرے میں دُور تک گونجتی چلی گئی۔ سرگوشی کُچھ اتنی بھیانک تھی کہ خود حمید کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسے بالکل ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی روح بول رہی ہو۔ سایہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔

"تم کون ہو بھائی۔" سائے نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔ اس کی آواز میں بے چارگی تھی۔

"کنور شمشیر بہادر۔۔۔!" فریدی نے بے ساختہ کہا۔

دفعتاً سایہ لڑکھڑا کر بر آمدے کے ستون سے ٹِک گیا۔

"کیوں کیا ڈر گئے۔" فریدی بولا۔

"تو تُم زندہ ہو۔" وہ ایسے لہجے میں بولا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

فریدی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ کتنا بھیانک تھا وہ قہقہہ۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے در و دیوار اس قہقہے کو دہرا رہے ہوں۔ فریدی خاموش ہو گیا۔ شاید وہ اس پر اپنے قہقہے کا ردِّ عمل اور پھر وہ صحن کی طرف لُڑھک گیا۔

فریدی اور حمید جھپٹے۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ جس جگہ سایہ گرِا تھا۔۔۔ وہاں سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔

"ارے۔۔۔ یہ کدھر غائب ہو گیا۔" فریدی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اندھیرے میں آخر وہ کہیں گولی نہ چلا دے۔ صفدر مرزا۔۔۔ صاف نکل گیا۔"

"صفدر۔۔۔ صفدر مرزا۔۔۔ مگر وہ تو۔۔۔!"

"مرا نہیں۔۔۔!" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"مُجھے شُبہ ہے کہ سعید کی بیوی یہیں اسی عمارت میں کہیں قید ہے۔"

"مگر صفدر مرزا۔۔۔!"

"چھوڑو بھی۔۔۔ پھر کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ باتوں میں وقت خراب کرنے کا موقع نہیں۔ نیچے کے سارے حصّے تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ اب اوپر چلنا چاہیے۔" فریدی نے اسی زینے پر چڑھتے ہوئے کہا جس پر سے صفدر مرزا اُترا تھا۔

"یہاں اس سنسان عمارت میں اس کی موجودگی خالی از علّت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ سعید کی بیوی بھی یہیں کہیں بند ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے زینے طے کر رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے بازو کو بُری طرح جکڑ لیا۔

"کیا ہے۔۔۔؟" فریدی نے پلٹ کر کہا۔

"آہٹ۔۔۔ اوپر کوئی ہے۔"

"میں سُن رہا ہوں۔"

"تو پھر اس طرح۔۔۔ کیا اندھیرے میں جان دیجئے گا۔۔۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہی رہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی۔۔۔ محض تمہاری احتیاط کے چکّر میں میں نے صفدر مرزا کو ہاتھ سے کھو دیا۔"

"خیر چلئے۔۔۔ اگر آپ کے ساتھ ہی مرنا قسمت میں لکھا ہے تو پورا ہو کر رہے گا۔"

اوپر ایک ہی قطار میں متعدد کمرے تھے۔ فریدی نے کمرے کے سامنے رُک کر آہٹ لینی شروع کی۔ ایک کمرے سے دبی دبی سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ یہ کمرہ باہر سے مقفّل تھا۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی نال کو تالے کے کنڈے میں پھنسا کر اینٹھنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد تالا کھُل گیا۔ ”تم زینے کے دروازے کے پاس جاؤ۔“ فریدی نے آہستہ سے حمید سے کہا۔

”اگر کوئی اوپر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ فائر کر دینا۔“

حمید چلا گیا۔ فریدی آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔ سامنے پلنگ پر ایک عورت لیٹی سر اُٹھائے خوفزدہ نظروں سے ٹارچ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”گھبراؤ نہیں۔۔۔ اب تم محفوظ ہو۔“ فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

عورت گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کیا تم سعید کی بیوی ہو۔۔۔؟“

”آخر تم لوگ مُجھ بے گناہ کو کیوں تنگ کر رہے ہو۔۔۔؟“ عورت بولی۔

”آپ غَلَط سمُجھیں محترمہ۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔“

”اوہ۔۔۔!“ عورت کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلی اور وہ بے تحاشہ کھڑی ہو گئی۔

”آپ سعید کی بیوی ہیں نا۔“

”جی ہاں۔“

”آیئے۔۔۔ میرے ساتھ۔“

فریدی اسے ساتھ لے کر زینے کے دروازے کے پاس آیا جہاں حمید کھڑا تھا۔ پھر وہ تینوں سُرنگ کے ذریعہ عمارت سے باہر نکل آئے۔ فریدی سعید کی بیوی کو اپنے گھر لے آیا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ چلی تو آئی تھی لیکن اس کے انداز سے

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کی طرف سے مشکوک ہے۔

"آپ اس عمارت میں کب سے تھیں؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"کل سے۔۔۔!"

"کل سے۔۔۔؟" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کہا۔ "مگر آپ تو کئی دِن سے غائب تھیں۔"

"پہلے دوسرے مکان میں تھی۔"

"کیا آپ اس کا کُچھ پتہ نشان دے سکتی ہیں۔"

"مُجھے افسوس ہے کہ میں بے ہوشی کی حالت میں وہاں لے جائی گئی تھی۔"

"بے ہوشی کی حالت میں؟"

"جی ہاں۔۔۔!" اس نے کہا اور فریدی کے استفسار پر اس نے اپنے بے ہوش ہونے تک کے واقعات بتادیئے۔

"اور پھر میں نے اُس شخص کو زندہ دیکھا جس کی لاش میں نے اپنے گھر میں دیکھ چکی تھی۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی نے حمید کی طرف مُڑتے ہوئے کہا۔ "اس بھاری بھر کم اجنبی کی شخصیت ابھی تک معمّہ بنی ہوئی ہے۔ آخر وہ کون تھا اور اس کا مقصد کیا تھا۔"

"اور یہ کیا معمّہ ہے کہ جس شخص کی لاش ہم لوگوں نے دیکھی اُسے یہ لوگ زندہ بتاتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"صرف یہی لوگ زندہ نہیں بتاتے بلکہ ہم لوگ بھی ابھی اس سے دھوکا کھا چکے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی۔۔۔؟"

"صفدر مرزا۔۔۔!"

"کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "پھر وہ مرنے والا کون

تھا۔۔۔؟“

”اس کا بھائی۔“

”بھائی۔۔۔؟“حمید تقریباً اُچھل کر بولا۔

”ہاں اس کا جڑواں بھائی انور مرزا۔“

”یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔۔۔؟“

"”میں نے رنگون میں اِنکوائری کرائی تھی۔ آج وہاں کے محکمہ جاسوسی کے چیف کا مُفصّل تار آیا ہے۔ انور مرزا اور صفدر مرزا جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں اس درجہ مشابہت پائی جاتی تھی کہ اُن کے ملنے جلنے والے بھی اکثر گڑبڑا جاتے تھے۔ دونوں میں صرف ایک معمولی سا فرق تھا۔ انور مرزا کے بائیں نتھنے کے نیچے ایک ابھرا ہوا سیاہ تِل تھا۔ ہاں تو وہاں کی انکوائری کے مطابق دونوں چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔ صفدر مرزا تو کئی بار جیل بھی جا چکا ہے۔ صفدر مرزا پہلے ہندوستان چلا آیا تھا اور انور مرزا بعد کو آیا۔“

"لیکن اُسے قتل کس نے کر دیا۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔

"مجھے تو اس میں صفدر مرزا ہی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ کیسے۔۔۔؟"

"لاش ملنے کے بعد صفدر مرزا کے قتل کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی اور اس کی تصویر بھی چھپی تھی۔ اگر صفدر مرزا کا ہاتھ اس قتل میں نہیں تھا تو اس نے پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا کہ وہ زندہ ہے اور مقتول اس کا بھائی تھا۔ اِس کے بجائے اُس نے سعید کو پھنسانے کی کوشش کی۔ اسے اس بات کا یقین دِلا کر کہ وہ بھُوت تھا، وہاں سے نکل بھاگنے کا موقع جان بوجھ کر دیا تا کہ وہ وہاں سے نکل کر اس کی رپورٹ پولیس کو دے اور دھر لیا جائے۔ بھلا پولیس اِن لغویات پر کیوں یقین کرنے لگی۔ سعید کی بیوی کو اس نے اپنے قبضہ ہی میں رکھا تا کہ پولیس سعید کو قطعی چھٹکارے کے لیے ایک داستان تصنیف کر لایا ہے۔"

"تو کیا وہ قید کر لیے گئے؟" سعید کی بیوی گھبرا کر بولی۔

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ وہ بہت جلد چھوٹ جائیں گے۔ ان کے خلاف سازش کرنے والوں کا پتہ میں نے لگالیا ہے۔"

"مُجھے ان سے ملا دیجئے۔" وہ مُلتجیانہ انداز میں بولی۔

"میں فی الحال اسے مناسب نہیں سمُجھتا۔ ایسی صورت میں آپ بھی قید کر لی جائیں گی اور مجرم بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"پھر میں کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"جب تک کہ اصلی مجرم گرفتار نہ ہو جائے۔۔۔ غریب خانے ہی کو گھر سمجھئے۔ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ اگر آپ نے اس گھر سے باہر قدم نکالا تو پھر میں سعید اور آپ کے لیے کُچھ نہ کر سکوں گا۔ اچھا اب چل کر آرام کیجئے۔ چلئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دِکھادوں۔"

فریدی اسے ایک کمرے میں پہنچا کر لوٹ آیا۔ حمید خاموش بیٹھا خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ "آخر آپ نے یہ کیوں کہا کہ اُس کے ظاہر ہوتے ہی مجرم فرار ہو

جائے گا۔ کیا اُس کے فرار ہونے کے لیے آج کا حادثہ کم ہے؟" حمید نے کہا۔

"یہی تو تم نہیں سمجھے۔ آج کی بھاگ دوڑ میں ایک نئی بات اور معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ صفدر مرزا شمشیر بہادر کا بھی قاتل ہے۔ کیا تُم نے میری اور اس کی گفتگو دھیان سے نہیں سُنی تھی۔ میں اس معاملے میں بھی شروع ہی سے مشکوک تھا اور شاید میں نے اپنے شُبہے کا اظہار کیا تھا کہ رنگون ہی میں شمشیر بہادر کا انتقال ہوا اور وہیں سے صفدر مرزا بھی ہندوستان آیا۔ لیکن یہ محض شُبہ ہی تھا۔ میں نے وہاں اسے شمشیر بہادر کا حوالہ اس خیال میں قطعی نہیں دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جب اس نے خود کو بھُوت بنا کر پیش کیا تھا تو کیوں نہ میں بھی شمشیر بہادر کا بھُوت بن کر اُسے ہیجان میں مُبتلا کروں۔ لیکن وہاں تو معاملہ ہی کُچھ اور تھا۔۔۔ بہر حال وہ میرے فقرے کو حقیقت سمجھا تھا۔ وہ کل تک واقعات کی نئی کروٹ کا انتظار ضرور کرے گا۔ اگر سعید کی بیوی حاضر نہ ہوئی تو وہ یہی نتیجہ نکالے گا کہ وہ ابھی تک شمشیر بہادر ہی کے قبضہ میں ہے۔ شمشیر بہادر جو اُس سے انتقام لینے کی تاک میں ہے وہ اس لیے شہر نہیں چھوڑے گا کہ وہ کسی طرح موقع پا کر

شمشیر بہادر کو ٹھکانے لگا دے گا اور اگر سعید کی بیوی حاضر نہ ہوئی تو وہ اُسے پولیس والوں کی چال سمجھ کر فرار ہو جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں سعید کی بیوی کے ساتھ ہی ساتھ شمشیر بہادر کا ہونا بھی ضروری ہے اور شمشیر بہادر مر چکا ہے کیا سمn جھے؟"

"بالکل سمجھ گیا۔۔۔!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ کا دماغ ہے یا۔۔۔"

"بھٹیار خانہ۔۔۔!" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"خیر یہ آپ کی نیک نفسی ہے۔۔۔ کہ آپ اپنے متعلّق غَلَط فہمی میں مبتلا ہیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"اونہہ۔۔۔ پھر تم نے اپنے سستے قسم کے مذاق کا مظاہرہ شروع کر دیا۔" فریدی نے مُنہ بنا کر کہا۔ "ایک چیز مُجھے اب بھی اُلجھن میں ڈالے ہوئے ہے کہ آخر وہ بھاری بھر کم اجنبی کون تھا۔ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی صفدر مرزا ہی کا

شکار تھا اور صفدر مرزا اس کا پیچھا کیوں کر رہا تھا۔ وہ دونوں جعلی نوٹ اُسی بنڈل کے تو تھے جو اس نے سعید کو دیا تھا۔ کیا سلیم اور انور مرزا کی موت کا کُچھ تعلق اس کی ذات سے بھی ہے۔ خیر انور مرزا کا معاملہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اجنبی کا پیچھا کرنے والوں میں وہ بھی رہا ہو اور اجنبی کے دھوکے میں صفدر مرزا کے ہاتھ سے مارا گیا ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" حمید نے کہا۔

"فرض کرو اجنبی آگے بھاگ رہا ہے اس کے پیچھے انور مرزا ہے اور اس کے پیچھے صفدر مرزا۔۔۔ اچانک صفدر چاقو نکال کر اجنبی کو کھینچ مارتا ہے اور انور مرزا اسی دوران میں بحالت بے خبری درمیان میں آ جاتا ہے، چاقو اجنبی کے لگنے کے بجائے اسے ہی الگ جاتا ہے۔"

"اس طرح تو ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔

"صفدر مرزا چاقو پھینکنے میں بہت مشّاق معلوم ہوتا ہے کیونکہ عجائب گھر میں اُسی

نے مُجھ پر حملہ کیا تھا۔ چاقوؤں کی ایک جیسی ساخت اس کا بہترین ثبوت ہے۔"

"لیکن پھر سلیم کا معاملہ بالکل الگ جا پڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو ایک ایسی گرہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بس سلیم کی موت اور اس اجنبی کی شخصیت کا حال ظاہر ہو جائے تو کیس صاف ہے۔"

"تو پھر اس کے لیے آپ کون سا طریقہ کار اختیار کریں گے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی اس پر بہت کُچھ سوچنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن محض شُبہے کی بناء پر میں نے فی الحال جو طریقہ کار اختیار کیا ہے ابھی اس پر کاربند رہنے کا ارادہ ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"سلیم کے گھر کی نگرانی۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی بہن کی شخصیت بھی کُچھ کم پُر اسرار نہیں۔"

"اُمّید ہے کہ اب میری ضرورت آپ کو پیش نہ آئے گی۔"

”جی نہیں۔۔۔ ایسے کاموں کے لیے دوسرے قسم کے مُہرے رکھتا ہوں۔“

فریدی نے کہا۔

”اچھا اب آپ آرام فرمایئے۔۔۔ بندہ رُخصت ہوتا ہے۔“

زمرّد محل میں

سلیم کی بہن بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید سِلک کا غرارہ اور سفید جمپر پہن رکھا تھا۔ سیاہ دوپٹے میں سفید کپڑوں کے ساتھ اس کی رُخصت ہوتی ہوئی جوانی نے گویا سنبھالا لے لیا تھا۔ بھرے ہوئے سلونے رخساروں پر دوبل کھائی ننھی ننھی لٹیں اس کے چہرے کی سنجیدگی میں ہلکی سی شوخی کا اضافہ کر رہی تھیں اور سنجیدگی و شوخی کے اس حسین امتزاج نے اس کی شخصیت کو کافی حد تک پُرکشش بنادیا تھا۔

دفعتاً ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا لمبوترے چہرے اور

طوطے جیسی ناک والا۔ یہ صفدر مرزا تھا۔ وہ آتے ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلیم کی بہن نے مُڑ کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ صفدر مرزا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ سلیم کی بہن سے نظر ملتے ہی وہ بے اختیار مُسکرا پڑا لیکن اس نے دوسری طرف مُنہ پھیر لیا۔

"سلیمہ۔۔۔ آخر تم مُجھ سے اس قدر بیزار کیوں رہتی ہو۔"

"کیا فضول اور لغو گفتگو چھیڑ دی۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"آخر اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہو۔"

"اور تُم اس بُری طرح ہانپ کیوں رہی ہو۔" وہ طنزیہ آمیز مُسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ایک نئی مُصیبت میں پھنس گیا۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" عورت چونک کر بولی۔

”میرا چچازاد بھائی شمشیر بہادر زندہ ہے۔ معلوم نہیں کس طرح بچ گیا۔ کاشانۂ شمشیر میں ابھی اُس سے مُڈ بھیڑ ہو گئی۔ میرے جیب میں پستول بھی نہیں تھا۔ مجبوراً بھاگنا پڑا۔ وہ سعید کی بیوی کو بھی نکال لے گیا ہو گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اگر وہ اُسے لے کر کوتوالی پہنچ گیا تو مجبوراً مُجھے بھاگنا پڑے گا۔ اگر بنک والے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا تو گردن ہی نپ جائے گی۔“

”تو تمہیں روکا کس نے ہے۔“ سلیمہ بے رُخی سے بولی۔

”بڑی بے مروّت ہو تُم۔“

”بات یہ ہے کہ مُجھے قاتلوں سے نفرت ہے۔“

”آخر ہونا عورت۔“

”تُم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں نے بھائی صاحب سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں اس کام میں شریک نہ کریں۔“

”تو میری وجہ سے کیا نقصان ہوا۔“

"نقصان۔۔۔!" سلیمہ گرج کر بولی۔ "اُنہیں کِس نے قتل کیا؟"

"تو کیا۔۔۔ تو کیا۔۔۔!" صفدر مرزا رُک رُک کر بولا۔ "تمہیں مُجھ پر شبہ ہے۔"

"اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

"غَلَط فہمی میں پڑ کر آپس کے تعلّقات مت خراب کرو۔ اس وقت ہم سب مُصیبت میں مبتلا ہیں۔"

"تُم مُبتلا ہو گے مُصیبت میں۔" سلیمہ تیز لہجہ میں بولی۔ "میں ہر طرح مطمئن ہوں۔"

"اگر میں وہ مشین دِلاور پُور سے نہ لاتا تو دیکھتا تمہارا اطمینان۔"

"مشین۔۔۔ کیا تُم وہ مشین وہاں سے لے آئے۔"

"ہاں۔۔۔؟"

"اِس لیے کہ جاسوس فریدی نوٹوں کے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔"

"وہ کیسے۔۔۔؟"

"وہ عجائب گھر گیا تھا۔ وہاں سے اس نے سلیم کے متعلّق معلومات بہم پہنچائیں۔ وہیں اسے سعید اور سلیم کی جان پہچان کا بھی عِلم ہوا۔ میں اُسے ختم کر ہی دیتا مگر وہ بچ گیا۔ زندگی میں پہلی بار میرے چاقو کا وار خالی گیا ہے۔"

"بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا تُم نے۔" سلیمہ زہرِ خند کے ساتھ بولی۔ "اِس طرح تُم اسے خواہ مخواہ چھیڑ کر واقعی ہم لوگوں کے لیے مُصیبت کا باعث بنو گے اور میں کہتی ہوں کہ اس مشین کو وہاں سے لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اُس کے فرشتے بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔"

"تمہیں مُجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔"

"میں نے ضروری نہیں سمُجھا۔۔۔ میں عورتوں کے حکم کا مُنتظر رہنے کا عادی نہیں۔"

"اچھّا یہ بات ہے۔۔۔ یہ نہ سمجھنا کہ سلیم مر گیا۔"سلیمہ کڑے لہجہ میں بولی۔

"تُم تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو۔"صفدر مرزا نرم لہجے میں بولا۔"اچھا بھئی۔۔۔ مُجھ سے غَلَطی ہوئی معافی چاہتا ہوں۔"

سلیمہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔شاید وہ اپنے غصّہ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ نرم لہجے میں بولی۔"اب شمشیر بہادر کے معاملے میں کیا ہو گا۔"

"یہی تو سوچ رہا ہوں، مُجھے اُمّید ہے کہ وہ خود کو ظاہر کرے گا کیونکہ شاید وہ شروع ہی سے میرے پیچھے لگا ہو گا اگر اسے کوئی قانونی کارروائی کرنی ہوتی تو کبھی کا کر چکا ہوتا۔ مُجھے تو کُچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنک کی گڑبڑ میں اُسی کا ہاتھ ہے۔"

"تب تو یہ بات بڑی بُری ہے۔"

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ اگر اس نے کل تک سعید کی بیوی کو حاضر نہ کیا تو اُس کا بھی صفایا ہو جائے گا ورنہ پھر مجھے ہی بھاگنا پڑے گا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ مُجھے سب سے زیادہ فکر اُس کرایہ دار کی ہے، معلوم نہیں کیوں بھائی صاحب نے اُسے کرایہ پر کمرے دے دیے تھے، آج دو دِن سے غائب ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دراصل ہے کون۔"

"میں نے بھی آج تک اسے نہیں دیکھا۔" صفدر مرزا بولا۔

"اس کا پتہ لگانا ضروری ہے۔" سلیمہ بولی۔ "اگر کہیں سرکاری جاسوس ہوا تو۔۔۔ شامت ہی آجائے گی۔"

"خیر اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔" صفدر مرزا نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "خفیہ پولیس نے نوٹوں کا حال معلوم کر لیا ہے لیکن شاید ابھی تک اسے سلیم کے صحیح حالات کا عِلم نہیں۔ ورنہ یہ مکان کبھی کا گھِر گیا ہوتا۔"

"نہیں۔۔۔ اِس مسئلے کو لاپروائی سے نہ ٹالو۔۔۔ تم نے فریدی کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ وہ بڑا خطرناک آدمی ہے جس نے جابر اور لیونارڈ جیسے بین الاقوامی مجرموں کے چھکّے چھڑُا دیے وہ ہم جیسوں کو کب خاطر میں لائے گا۔"

"اور تُم بھی خواہ مخواہ ڈر رہی ہو جس دِن چاقو پڑ گیا خاک و خون میں لوٹتا نظر آئے گا۔ ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔"

"خیر۔۔۔ بہر حال ہمیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" سلیمہ بولی۔

پھر خاموشی چھاگئی اور صفدر مرزا سلیمہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

سلیم کا گُرگا

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ کہرے کی چادر ہر شے پر محیط تھی۔ سلیمہ نے ایک طویل انگڑائی لی اور اُٹھ بیٹھی۔ دفعتاً باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سلیمہ نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

ایک اجنبی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گھنی سیاہ رنگ کی داڑھی میں اس کا خوش رنگ چہرہ کُچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سوٹ تھا جس پر اس نے اوور کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر عمدہ فیلٹ تھی۔

”شاید آپ بانو سلیمہ ہیں۔“ اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

”جی ہاں کہئے۔“

”تکلّفات کا وقت نہیں۔“ اس نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مُجھے اندر آنے دیجئے۔“

سلیمہ متحیّر انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ اجنبی اندر چلا گیا۔ سلیمہ بدستور اُسے متحیّرانہ انداز میں گھورے جارہی تھی۔

”گھبرایئے نہیں بانو۔“ اجنبی بولا۔ ”میں دوست ہی ہوں۔۔۔ مُجھے تنویر کہتے ہیں۔“

”تنویر۔۔۔!“ سلیمہ نے حیرت سے کہا۔ ”میں یہ نام آج ہی سُن رہی ہوں۔“

”لیکن آپ مُجھے صورت سے ضرور پہچانتی ہوں گی۔“ اجنبی نے کہا اور اپنے چہرے سے مصنوعی داڑھی ہٹادی۔ سلیمہ کی آنکھیں چندھیا اٹھیں۔ کتنا بارُعب اور حسین چہرہ تھا۔ وہ دل ہی دِل میں اُس کے حُسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ

سکی۔

"میں۔۔۔ میں۔۔۔!" سلیمہ ہکلائی۔ "مم۔۔۔ مُجھے افسوس ہے کہ میں نے اب بھی نہیں پہچانا۔"

"تو شاید آپ نے استاد مرحوم کے البم میں میری تصویر بھی نہیں دیکھی۔ میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اسی لیے پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔"

"آپ وضاحت سے اپنے متعلّق بتایئے۔" سلیمہ نے آہستہ سے کہا۔

"میں بمبئی سے آرہا ہوں۔۔۔ میں وہاں اُستاد کے حُکم کے مطابق نوٹوں کا انتظام کررہا تھا کہ دفعتاً اُن کی موت کی خبر ملی۔ اس سے ساری تنظیم میں ہل چل پڑ گئی۔ میں نے کل رات ہی کو آنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ تو جانتی ہی ہیں۔"

"کیا۔۔۔؟" سلیمہ چونک کر بولی۔ "میں کُچھ نہیں جانتی۔"

"آپ نہیں جانتیں۔" تنویر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اِس مکان کی نگرانی کی جارہی ہے۔ کل رات بھر یہاں کا مشہور جاسوس فریدی ایک دیوانے

کے بھیس میں سامنے والی چائے کی دکان کے نیچے پڑا رہا۔"

"ارے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔" سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"اور اس وقت بھی کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہو گا۔ اسی لیے مُجھے داڑھی لگا کر آنا پڑا۔"

"آپ نے یہ بہت ہی کار آمد اطلاع دی۔ شکریہ۔"

"میں اُستاد کی موت کے متعلّق تحقیقات کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔۔۔ اوہ۔۔۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں۔"

"چائے تو پی لیجئے۔"

"نہیں۔۔۔ آپ کو تھوڑی تکلیف دوں گا۔ آج شام مُجھ سے آر لکچنو میں ملئے۔ چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہاں میرا زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں اور ہاں ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کے رکھ رکھاؤ سے یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ آپ خفیہ پولیس والوں کی مصروفیات سے واقف ہیں اگر میں نے حالات

دِگرگوں دیکھے تو آپ کو نکال لے چلوں گا۔ ایک بات اور۔۔۔ وہ یہ کہ بقیہ ساتھیوں کو ابھی میرے متعلّق عِلم نہ ہونے پائے۔ شام کو گفتگو کرنے کے بعد اگر اس کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مطلع کر دیا جائے گا۔۔۔ ورنہ نہیں۔" تنویر خاموش ہو گیا۔ پھر مصنوعی داڑھی چہرے پر لگائی اور ہیٹ لیتا ہوا بولا۔ "بھولیے گا نہیں۔۔۔ شام سات بجے آرلکچنو میں۔"

"بہت اچھا۔۔۔ میں ضرور آؤں گی۔"

وہ باہر نکل گیا۔ سلیمہ کھڑکی سے اسے دیکھتی رہی۔ چلنے کا انداز کتنا پُر وقار تھا۔ اس نے سوچا اور دیکھا کہ دفعتاً ایک دُبلا پتلا آدمی ایک کیفے سے نکلا اور تنویر کا پیچھا کرنے لگا۔ سلیمہ کے دِل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ لیکن تنویر۔۔۔ وہ سڑک کے کنارے اِدھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ سلیمہ بے اختیّار مُسکرا پڑی۔ "کتنا چالاک ہے" سلیمہ نے آہستہ سے کہا اور کھڑکی کا پردہ گرا دیا۔ غسل خانہ سے واپس آکر اس نے چوکیدار کو بُلوایا۔ "ارے۔۔۔ وہ چار نمبر والا رات کو آیا یا نہیں؟" اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

”ہاں بی بی جی۔۔۔وہ دو بجے رات آیا تھا۔۔۔اور چار بجے واپس چلا گیا۔“

”ہونہہ۔۔۔اچھا تم جاؤ۔“سلیمہ نے کہا۔

چوکیدار چلا گیا اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آخر یہ کرایہ دار کون ہے۔ اتنی پُراسرار حرکتوں کا مطلب۔۔۔ آخر کس طرح اس کا پتہ لگایا جائے۔ جب اس کے انتظار میں رات بھر جاگتی رہتی ہے تو وہ آتا ہی نہیں۔ کیا کیا جائے۔۔۔؟ سلیمہ نے ناشتہ کیا اور دیر تک اس عجیب و غریب کرایہ دار کے متعلّق سوچتی رہی۔ آخر وہ کون ہے کیا اس نے بھاری جرم کیا ہے۔ کیا وہی تو اس کے بھائی کا قاتل نہیں۔ پھر اسے تنویر کا خیال آیا۔۔۔ کس صفائی سے اُس نے بھیس بدل رکھا تھا اور کتنا چالاک تھا۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں اتنا تجربہ کار۔۔۔ اس نے اس کی موجودگی میں ایک سکون محسوس کیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اچانک ایک سہارا مل گیا ہو۔ کلاک نے بارہ بجائے۔ اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ ابھی پورے سات گھنٹے ہیں۔ اُسے ایک ایک منٹ پہاڑ معلوم ہونے لگا۔ تنویر کی دِل آویز مُسکراہٹ، لہجے کی نرماہٹ، تہذیب یافتہ اطوار، وہ سوچنے لگی کہ تنویر ضرور کسی اونچی

سوسائٹی کا فرد ہے۔ مگر وہ اس گروہ کے چکّر میں کیسے پھنس گیا۔ وہ ضرور اُس کے ساتھ بمبئ چلی جائے گی۔ اس دوران میں اس نے نہ جانے کتنے ہوائی قلعے بنا ڈالے۔ پھر اسے صفدر مرزا یاد آیا۔ جو کُچھ دِنوں سے اس میں دِلچسپی لینے لگا تھا۔ ذلیل، قاتل، اس کی ناک پر تنفّر آمیز شکنیں ابھر آئیں جب سے وہ اس گروہ میں شامل ہوا تھا، پے در پے مُصیبتیں نازل ہو رہی تھیں۔ پندرہ سال سے ہر کام خوش اسلوبی سے انجام پا رہا تھا۔ مگر پہلے کام کی نوعیت ہی دوسری تھی۔ اس نوٹ بنانے والے جھنجھٹ میں اُس کے بھائی کو پھنسانے والا یہی تھا۔ لیکن بھائی صاحب نے آج تک یہ نہیں بتایا تھا کہ اُن کا گروہ اتنا منظّم ہے اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے۔ بمبئ کے کُچھ لوگوں کا تذکرہ ضرور ہوا تھا لیکن انہیں وہ معمولی قسم کے بدمعاش سمجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اُن میں تنویر جیسے ذہین اور پڑھے لکھے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ دِن بھر پلنگ پر پڑی اونگھتی رہی۔ غنودگی کے کیف آور دُھندلے میں بار بار تنویر کا چہرہ اُبھرتا۔ اس کی لوچ دار مگر مردانہ وقار کی حامل آواز بار بار کانوں میں گونج اُٹھتی۔ سورج

آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکنے لگا۔ وہ اُٹھی اور اپنی بہترین پوشاک نکال کر آئینے کے سامنے پہنچ گئی اور پھر ساڑھے چھ بجے وہ گھر سے روانہ ہو گئی۔ آر لکچنو کے ہال میں داخل ہو کر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک بیرا اسے اپنی طرف آتا دِکھائی دیا۔

"میم صاحب اس طرف۔۔۔!" اس نے اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

سلیمہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ ایک کیبن کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ سلیمہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئی۔ تنویر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

"مجھے شاید کچھ دیر ہو گئی۔"

"نہیں تو۔" تنویر نے مُسکرا کر کہا۔ "ٹھیک سات بجے ہیں۔" سلیمہ بیٹھ گئی۔ تنویر نے باہر کھڑے ہوئے بیرے کو بُلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔ سلیمہ اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد تنویر نے پوچھا۔ "میں بنک کے حادثے کے متعلّق تفصیل کے ساتھ سُننا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی

معلومات سے آپ کے بیان کا مُقابلہ کرنا ہے۔"

"بھائی صاحب نے بنک کا دروازہ کھول دیا۔" سلیمہ نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "صفدر مرزا اور دوسرے آدمی جعلی نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے کر پہنچے۔ لیکن اس وقت آمد و رفت زیادہ ہونے کی وجہ سے موقع نہیں تھا لہٰذا وہ کار ایک طرف کھڑی کر کے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دفعتاً ایک آدمی اس کار کو لے بھاگا۔ صفدر اور اس کے ساتھی گھبرا گئے۔ بمشکل تمام وہ لوگ ایک دوسری کار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے اُس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا دِلاور پُور تک وہ اس کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر اچانک معلوم نہیں اس کار کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ صفدر وغیرہ اس آدمی کو ڈھونڈتے رہے۔ سعید نامی ایک زمیندار کے یہاں گھُس گئے۔ وہاں انہیں کُچھ شُبہ ہوا اور وہ معمولی پوچھ گچھ کر کے لوٹ آئے۔ چونکہ انہیں شُبہ ہو چکا تھا اس لیے گھات میں لگے رہے۔ وہ آدمی دراصل وہی تھا۔ جب یہ لوگ دوبارہ اس گھر میں گئے تو وہ نکل کر بھاگا۔ یہ سب اتنی خاموشی سے ہوا کہ سعید اور اس کی بیوی کو خبر تک

نہ ہو سکی۔ وہ بھاگ رہا تھا اور یہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ صفدر مرزا کے ہمراہیوں میں اس کا جڑواں بھائی انور مرزا بھی تھا۔ اگر آپ دونوں کو ایک جگہ دیکھ لیتے تو آپ یہ اندازہ نہ لگا سکتے کہ کون صفدر ہے اور کون انور مرزا۔ کُچھ ایسی مشابہت تھی دونوں میں۔ انور مرزا دوڑتے وقت اپنے ہمراہیوں سے کُچھ آگے نکل گیا۔ دفعتاً صفدر مرزا نے اُس بھاگتے ہوئے آدمی کو چاقو کھینچ مارا۔ اتّفاقاً انور مرزا درمیان میں آ گیا۔ اس کے گِرتے ہی ان لوگوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ یہ اسے دیکھنے میں لگ گئے اور وہ آدمی غائب ہو گیا۔

"اس کے بعد کے حالات مُجھے معلوم ہو چکے ہیں۔" تنویر بولا۔ "صفدر نے سعید کو چھوڑ کر ایک بھاری غَلَطی کی۔ پولیس تو یوں بھی اس کی تلاش میں تھی، اُسے تو ٹھکانے ہی لگا دینا چاہیے تھا۔"

"یعنی وہ ایک اور قتل کرتا۔" سلیمہ نے کراہت سے کہا۔

"قتل و غارت گری تو مُجھے بھی پسند نہیں لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو

نہیں تھا۔ خیر تو کار آج تک نہ مل سکی۔" تنویر نے کہا۔

"نہ معلوم وہ آدمی کون تھا اور اس کار کو کہاں لے گیا۔"

"ساری مُصیبتیں محض صفدر مرزا کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ اُستاد کو اسے گروہ میں شامل نہ کرنا چاہیے تھا۔"

"کیوں۔۔۔ اس کی وجہ سے کیوں۔۔۔؟"

"اس لیے کہ ایک آدمی رنگون ہی سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔" تنویر نے کہا۔

"کون۔۔۔؟" سلیمہ چونک کر بولی۔

"وہی آپ کا پُراسرار کرایہ دار۔" تنویر نے کہا۔

"سلیمہ اُچھل پڑی۔"

"لیکن گھبرایئے نہیں۔" تنویر نے کہا۔ "اب اس کا وقت قریب آگیا ہے۔"

"وہ۔۔۔ آخر ہے کون؟"

”ابھی بتاتا ہوں۔۔۔ ہاں وہ گنگولی کا معاملہ کیا تھا۔۔۔؟“

”ارے آپ آخر کیا کیا جانتے ہیں۔“ سلیمہ حیرت سے بولی۔

”محض انہی معلومات اور اسی صلاحیت کی بناء پر فریدی سے ٹکرانے کا ارادہ کیا ہے۔“ تنویر مُسکرا کر بولا۔

”گنگولی کا معاملہ بھی ایک معمّہ ہے۔ وہ بھائی صاحب کے کمرے میں گیا اور پھر واپس نہیں لوٹا۔“

تنویر مُسکرانے لگا۔

”یہ بھی آپ کے کرایہ دار ہی کی ایک معمولی سی بازی گری تھی۔“

”یعنی۔۔۔ آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ وہ ہے کون؟“

”وہی جو نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے اُڑا۔۔۔ وہی جو کاشانۂ شمشیر سے سعید کی بیوی کو نکال لے گیا۔“

"جی ہاں۔۔۔ کنور شمشیر بہادر۔" تنویر نے کہا۔ "صفدر سے اپنا انتقام لینے پر تُلا ہوا ہے۔"

"تو کیا۔۔۔ سچ مچ وہ بچ گیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

سلیمہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"تو وہ کسی وقت بھی پولیس کو اس کی اِطلاع دے سکتا ہے۔"

"آپ گھبرائیے نہیں۔۔۔ جب تک صفدر بالکل اُس کے قابو میں نہ آ جائے گا وہ کُچھ نہ کرے گا۔ شاید اسے ڈر ہے کہ پھر صفدر اسے دھوکہ دے کر کہیں اور فرار نہ ہو جائے۔"

"مگر آپ کی معلومات کی داد دینی پڑتی ہے ایک ہی دِن میں۔۔۔!" سلیمہ نے کہا۔

”ابھی کیا دیکھا ہے آپ نے۔۔۔ شاید فریدی کی موت مُجھے یہاں لے آئی ہے۔“

”مگر میں تمہیں۔۔۔ ارر۔۔۔ آپ کو خُون نہ کرنے دوں گی۔“

”نہیں۔۔۔ آپ مُجھے تُم ہی کہہ کر مخاطب کریں، نا جانے کیوں بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔“

سلیمہ شرما گئی۔ تنویر اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

”آپ ان سب معاملات کو چھوڑیئے مجھے کسی طرح اِن خطرات سے نکال لے چلئے۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”وہ تو آپ چلیں ہی گی میرے ساتھ۔ لیکن میں اِن نوٹوں کو پولیس کے قبضے میں ہرگز نہ جانے دوں گا۔ میں انہیں شمشیر سے اُگلوا کر ہی رہوں گا۔“

”اچھا تو آج رات کو صفدر مرزا کو بُلوا لیجئے گا۔ میں تقریباً ایک بجے آؤں گا۔ آج

ہی ہمیں شمشیر کا فیصلہ کرنا ہے۔"

"تو کیا قتل۔۔۔؟" سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"نہیں۔۔۔وہ آپ کی جوتیوں کے طفیل بچ جائے گا۔"

"تو پھر کیا کیجئے گا۔"

"اس سے سارے نوٹ حاصل کر کے اسے کہیں قید کر دیں گے اور ہم لوگ نکل چلیں گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"

"صفدر کو بُلوا لیجئے گا۔" تنویر نے کہا۔ "لیکن ہاں اُسے میرے متعلّق تو بتا دیجئے گا لیکن شمشیر کا تذکرہ اس وقت تک نہ آنے پائے جب تک کہ میں وہاں پہنچ نہ جاؤں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے اور سارا کھیل بگڑ جائے وہ کُچھ بے وقوف قسم کا آدمی ہے۔"

”بہت اچھا۔۔۔ تو پھر میں ایک بجے آپ کا انتظار کروں گی۔ لیکن دیکھئے اپنے وعدے سے پھریئے گا نہیں۔ اب مُجھ میں لاشیں دیکھنے کی تاب نہیں رہ گئی۔“

اندھیرا۔۔۔اُجالا

تنویر، صفدر مرزا اور سلیمہ آہستہ آہستہ کمرہ نمبر ۴ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کرایہ دار ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ تنویر نے کُنجیوں کا ایک لچھا نکالا اور یکے بعد دیگرے کُنجیاں لگانے لگا۔ ایک کُنجی سے تالا کھُل گیا۔

”دیکھئے۔۔۔!“ تنویر نے سلیمہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”ہم لوگ اندر جاتے ہیں۔ آپ تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی جایئے۔“

”نہیں۔۔۔میں بھی اندر ہی چلوں گی۔“

”تو پھر کام ہو چکا ہے۔“ تنویر نے جھلّا کر کہا۔ ”وہ تالا کھُلا دیکھ کر اُلٹے ہی پیر واپس چلا جائے گا۔“

”تنویر ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ صفدر بولا۔

”اگر کُچھ گڑبڑ ہوئی تو۔۔۔؟“

”تو آپ کی موجودگی اُس گڑبڑ کو روک دے گی؟“ تنویر ہنس کر بولا۔

”دیکھئے۔۔۔ یہ نہیں۔“ سلیمہ مچل کر بولی۔

”میں جو کہہ رہا ہوں وہ کیجئے۔“ تنویر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اور سلیمہ باہر سے تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ تنویر نے ٹارچ جلائی۔

”میرا خیال ہے کہ ہم اس پلنگ کے نیچے چھُپ جائیں۔“ تنویر نے کہا۔ ”اس کے چاروں طرف لٹکی ہوئی چادر ہمیں اچھی طرح چھُپا لے گی۔“

دونوں پلنگ کے نیچے چھُپ گئے۔

کلاک نے دو بجائے اور تھوڑی دیر بعد بر آمدے میں پیروں کی آہٹ ہوئی۔ تالے میں کُنجی گھومنے کی آواز سُنائی دی۔ دروازہ کھولا گیا۔ پھر بند کر کے چٹخنی چڑھادی گئی اور پھر کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔ صفدر نے چارپائی کی چادر ذرا سی کھسکائی۔ ایک بھاری بھر کم آدمی ان کی طرف پشت کئے کھڑا تھا۔ تنویر آہستہ سے پلنگ کے نیچے سے نکلا اور پستول کی نال اس کی گردن سے لگادی۔ وہ چونک پڑا۔

"خبر دار جُنبش نہ ہو۔ ورنہ لبلبی دب جائے گی۔" تنویر آہستہ سے بولا۔ صفدر مرزا بھی آکر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس آدمی کے جسم پر خوف کی وجہ سے لرزہ طاری ہو گیا۔

"صفدر یہ لو۔" تنویر نے ایک پتلی اور مضبُوط رسّی جیب سے نکال کر صفدر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "شمشیر بہادر کو نہایت احتیاط سے جکڑ دو اور تم شمشیر

بہادر چُپ چاپ اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔۔۔ چلو۔۔۔!“

شمشیر بہادر کو کرسی سے جکڑ دیا گیا۔

”وہ کار کہاں ہے شمشیر جی۔“تنویر نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“

”بتاؤ۔“

”میں نہیں جانتا کون سی کار۔“

”یہ ایسے نہیں بتائے گا۔“تنویر نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالتے ہوئے کہا۔

”لو میاں صفدر اسے اپنے ہاتھوں میں پہن لو۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“صفدر چونک کر بولا۔

"جلدی کرو۔۔۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“تنویر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو۔۔۔؟“صفدر تیز لہجے میں بولا۔

”فریدی پر چاقو سے حملہ کر کے بچ نکلنا آسان کام نہیں ہے صفدر صاحب۔“ تنویر نے پستول کا رُخ صفدر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

”دھوکا۔۔۔ دھوکا۔“صفدر غصّے میں چیخا۔”کمینی سلیمہ نے غدّاری کی۔“

”نہیں۔۔۔ وہ غریب خود بھی دھوکا کھا گئی۔ وہ اِس وقت سارجنٹ حمید اور جگدیش کے قبضے میں ہو گی اور تمہارے سارے گرگے، جو اس عمارت میں موجود ہیں تمہاری ہی طرح حیرت سے ایک دوسرے کا مُنہ تک رہے ہوں گے۔“

شمشیر بہادر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

فریدی نے اپنے ہونٹ اور ناک پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچنے شروع کر دیے۔ تنویر کا میک اپ ختم ہو چکا تھا اور فریدی اپنی صحیح شکل وصورت میں کھڑا مُسکرا رہا تھا۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی۔ فریدی پستول کی نال صفدر کی طرف کئے ہوئے دروازے کے قریب آیا اور چٹخنی گرا دی۔ جگدیش اور حمید

سلیمہ کو پکڑے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"حمید صفدر مرزا کے ہتھکڑیاں لگادو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر صفدر مرزا کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔ "سلیمہ تمہیں حیرت ہو رہی ہو گی۔" فریدی مُسکرایا۔

"آج زندگی میں میں نے پہلی بار دوہرا بھیس بدلا۔ جو توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ اگر میں تمہیں دھوکا نہ دیتا تو صفدر میاں پر ہاتھ پڑنا ہی مشکل تھا اور صفدر مرزا تم سُنو۔۔۔ کل رات کاشانۂ شمشیر میں شمشیر بہادر نہیں، میں ہی تھا۔ گھبراہٹ میں تُم نے وہیں اقبالِ جُرم کر لیا اور کل ہی رات کو میں نے صدر دروازے کے سامنے والی چائے کی دُکان کے نیچے پڑے پڑے شمشیر بہادر کو بھی دیکھا تھا اور سلیمہ تُم ڈرو نہیں۔ میں نے تنویر کے بھیس میں جو وعدہ تم سے کیا تھا اسے ضرور پورا کروں گا۔ تم بچالی جاؤ گی۔ لیکن اس کے لیے تمہیں گواہ بننا پڑے گا اور تم شمشیر بہادر، تم نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ تمہارا کوئی وارث ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"شمشیر نے کہا۔ "اس وقت واقعی مُجھے معلوم نہیں تھا۔ یہ تو اچانک مُجھے معلوم ہوا کہ میرے ایک سوتیلے چچا بچپن ہی میں ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے تھے۔ میں نے پتہ لگانا شروع کر دیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکے ہیں لیکن ان کے دو لڑکے صفدر مرزا اور انور مرزا اب بھی رنگون میں موجود ہیں۔ رنگون پہنچا۔ خفیہ طور پر اِن کا پتہ لگایا۔ صفدر نے دوستی کر کے اس کے چال چلن کا پتہ لگانا شروع کیا۔ کسی طرح اس کو میری اصلیت معلوم ہو گئی۔ اس نے جلد سے جلد میری ریاست کا مالک بن جانے کے لالچ میں مُجھے قتل کرنا چاہا۔ مُجھے مچھلی کا شکار کھلانے کے بہانے لے گیا اور کشتی پر مُجھے گولی کا نشانہ بنایا۔ جب مُجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو دریا کے کنارے ایک گاؤں میں پڑا پایا۔ گولی میرے بازو میں لگی تھی، زندگی تھی، جو ڈوب کر نہیں مرا۔ میں نے صفدر سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اپنی موت کی خبر میں نے ہی اخباروں میں شائع کرائی تھی۔ صفدر کا پیچھا کرتا ہوا میں ہندوستان آیا۔۔۔ یہاں آ کر اس نے سلیم سے ساز باز کی اور جعلی نوٹ بنانے لگا۔"

"اس کے آگے مُجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ سلیم کیسے مرا۔۔۔؟"

"سلیم بنک کا دروازہ کھول چکا تھا۔ نوٹوں والی کار بھی آچکی تھی۔ اتّفاق سے میں شروع ہی سے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ کامیاب نہ ہو جائیں۔ لہٰذا میں نے جگدیش صاحب کو گنگولی کی طرف سے فون کیا اور آپ کو سلیم کی طرف سے۔ اور خطرے کا الارم بجا کر گھبراہٹ میں سلیم کو کھینچتا ہوا اوپر لے گیا۔ راستے میں اس کا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ میں نے جلدی میں اُسے وہیں کھُلی چھت پر لٹا دیا اور خود نیچے بھاگا۔ دیر ہوتی جارہی تھی۔ نہ تو الارم سُن کر گنگولی ہی نیچے آیا تھا اور نہ پولیس کا ہی پتہ تھا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کار لے کر فرار ہو جاؤں۔ کار اب بھی دِلاور پُور میں محفوظ ہے۔۔۔ پھر میں۔۔۔!"

"گنگولی کو کیا ہوا۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

”میں نے اسے چھپا رکھا ہے۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”میں نے مجبوراً ایسا کیا تھا۔ گنگولی سلیم کی موت کے بعد اس کے کمرے کی تلاشی لینے آیا۔ یہاں ایک کاغذ پر بے شمار نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ملے۔ وہ سمجھ گیا کہ سلیم نے کس مقصد سے بنک میں نوکری کی تھی۔ مُجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ اپنا شُبہ ظاہر کر کے اس کی پبلسٹی نہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو صفدر مرزا جو چھُپ کر نوٹوں والی کار تلاش کر رہا تھا اس شہر ہی سے فرار ہو جاتا اور میں اس سے انتقام نہ لے پاتا اور گنگولی دِلاور پُور کے ایک ہی ماہی گیر کے جھونپڑے میں اب بھی موجود ہے۔“

”تو تُم نے اسے بند کر رکھا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں وہ اپنی خوشی سے وہاں مقیم ہے، لیکن میں نے اسے اس بات کا یقین دِلا دیا تھا کہ پولیس کو اس پر شُبہ ہے اور اس کا وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہو چکا ہے۔“

”بہر حال تمہیں بھی اپنے کو قیدی ہی سمجھنا چاہیے۔ یہ اور بات ہے کہ تُم عدالت سے بری ہو جاؤ۔ تم پر پہلا چارج تو یہ ہے کہ تم نے سلیم کو بے ہوشی کی حالت میں سپاٹ چھت پر چھوڑ دیا اور ایک ہی کروٹ اسے نیچے لے آئی۔ دوسرا چارج یہ کہ تم نے جعلی نوٹوں کو فوراً ہی پولیس کے حوالے کر دینے کے بجائے اتنے دِنوں تک اپنے قبضے میں رکھا۔ تیسرا چارج یہ کہ تم نے ایک بے گناہ شہری کو دھوکہ دے کر اتنے عرصہ تک نظر بند رکھا۔“

شمشیر بہادر خاموش تھا۔

”میاں حمید اور بھائی جگدیش۔“ فریدی ہنس کر بولا۔ ”دیکھا تُم نے آخر سعید اور اس کی بیوی بے داغ چھوٹ گئے۔“

تمام شُد